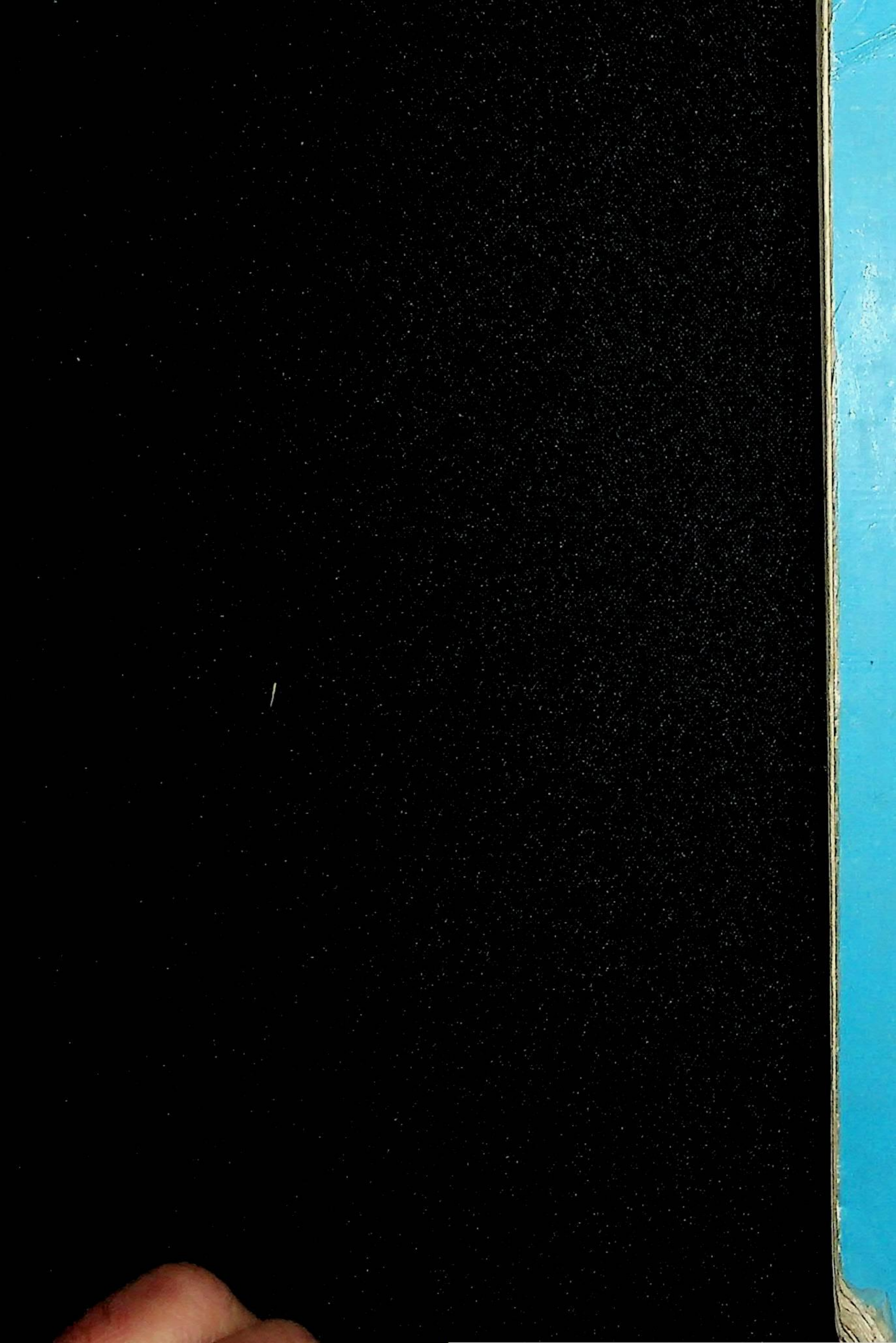
دیوان غنی

از

ملا محمد طاہر غنی کشمیری

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر



دیوانِ غنی

بترتیب جدید محمد امین دارآب کشمیری

از

ملا محمد طاہر غنی کشمیری

مقدمہ و تصحیح و حواشی

از

علی جواد زیدی

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز۔ سرینگر (کشمیر)

۱۹۸۴ء

©

ناشر : سیکرٹری۔ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز۔

بار دوم : ۱۹۸۴ء

مطبع : جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز۔ دہلی۔

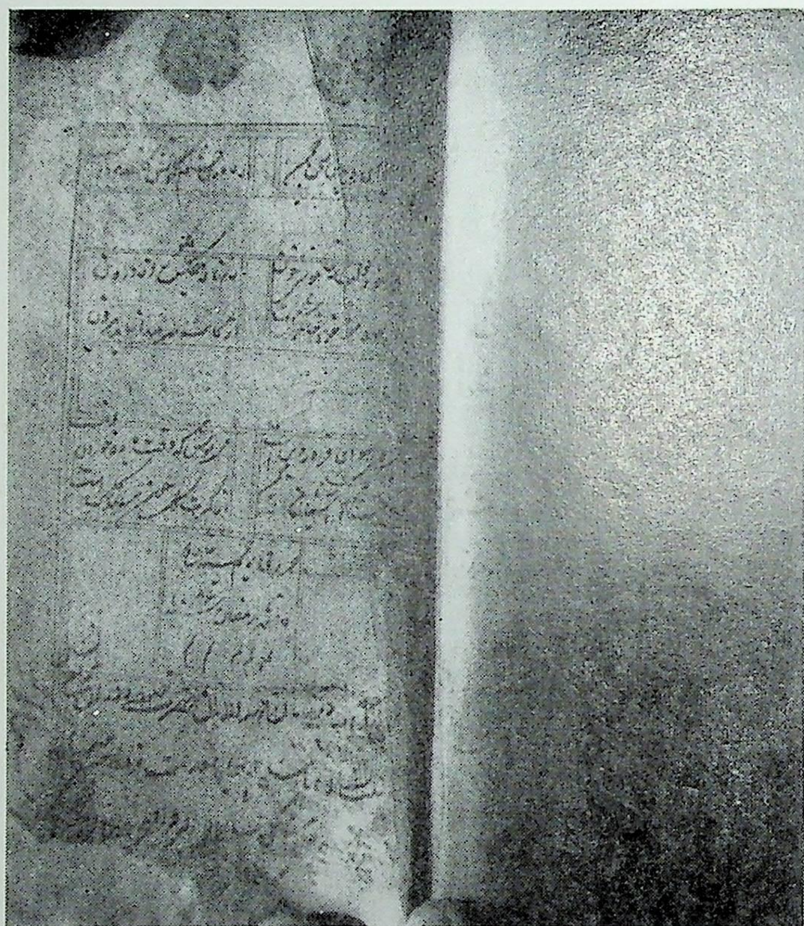
خطاط : پیر حسام الدین۔ محمد یوسف مسکین۔

قیمت : ۳۵ روپیہ

انچارج پبلیکیشن: بشیر اختر

کتاب ملنے کا پتہ:
"کتاب گھر"
مولانا آزاد روڈ۔ سرینگر

فہرس



دیوانِ غنی

نسخہ آگرہ تاریخِ تحریر ۱۵ ار رمضان سنہ ۱۰۸۳

عرضِ ناشر

اکادمی کی طرف سے مُلّا طاہر غنی کاشمیری کا دیوان آج سے کوئی بیس سال قبل مرحوم محمد امین دارآب کشمیری کی ترتیب اور سیّد علی جواد زیدی کے مُقدّمے اور حواشی کے ساتھ شایع کیا گیا تھا۔ دراصل اس کو دیوان کہنا ایک بیانِ خفیف (UNDER STATEMENT) ہے۔ کیونکہ اس میں اُن کی غزلیات کے علاوہ مُختلف اصناف کے وہ تمام نمونے یکجا کئے گئے تھے، جن کو تحقیق و تدوین کے بعد اُن کا مُسلمہ کلام تسلیم کیا گیا ہے۔ "دیوانِ غنی" کا جو اولین نُسخہ اُن کے شاگرد مُسلم نے اُن کی وفات کے ایک سال کے بعد مُرتب کیا تھا۔ اس کے دیباچے میں وہ کلامِ غنی کی شیرازہ بندی کا ماجرا بڑے درد آمیز الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے :۔

"سُخنے چند کہ از ذاتِ شریفش یادگار ماندہ بود و جُز بر صفحۂ روزگار ثبت نمے نمود و خلفے چند کہ طبعِ لطیفش بجائے خود نشاندہ، چوں یتیمانِ بے خانمان در سفینہ ہائے مُردم کوچہ بکوچہ میگردید پیش ازانکہ مسودۂ اشعارش جمعیت پذیر در سخنانِ صورتِ دیوان گیرد۔"

اگرچہ دیوانِ غنی کو اکادمی سے پہلے بھی تقریباً ایک درجن مرتبہ چھاپا گیا تھا۔ لیکن اس کو مُستند کُلیات کی صورت میں چھاپنے کی سعادت اکادمی کو ہی حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس

دیوان کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی اور اب اس ایڈیشن کے لئے غنی شناسوں کی نظریں بھٹکتی رہتی ہیں۔ اس بڑھتی ہوئی طلب کو پورا کرنے کی خواہش اس طبعِ ثانی کی شانِ نزول ہے۔ یہاں پر اس بات کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا کہ درمیانی مدت میں اکادمی نے غنی شناسی کے راستے کو روشن تر کرنے کے لئے ریاض احمد شیروانی کی مرتب کردہ کتاب "غنی کشمیری" بھی شایع کی ہے۔ جسمیں غنی کے احوال و آثار اور ان کے سبک کی خصوصیات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب فارسی متن میں ہے اور اکادمی کی آفسیٹ پر چھپی ہوئی پہلی کتاب۔

غنیؔ کے کلام اور ان کے دیوان کی ترتیب کے متعلق علی جواد زیدی صاحب نے پہلے ایڈیشن کے مقدمے میں وسیع بحث کی ہے اور اسی لئے اس کو طبعِ ثانی میں بھی جوں کا توں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن اس دیوان کی اشاعت نے غنی شناسی کے کچھ نئے زاویے پیدا کئے ہیں اور اسی لئے اب غنیؔ کو تمثیل و ایہام کے شہنشاہ کے محاکمے کی حدود سے باہر جانچنے اور پرکھنے کی کوششیں شروع ہوگئی ہیں۔

غنیؔ کے دیوان کا پہلا مرتب مُسلم اپنے دیباچے میں اُن کی تخلیقی تگ و تاز کے متعلق کہتا ہے:۔

"علم را نقابِ عرفان ساختہ و شعرش پردہ داریٔ ہر دو می نمود"

اِس سے غنیؔ کے جوہرِ ذاتی اور علم و عرفان کا سُراغ تو مِلتا ہے لیکن میرے خیال میں اس سے اہم تر بیان جو مُسلِم نے قلمبند کیا ہے' یہ ہے:۔

"اکثر ناقص عیارانِ ایں بازار پیرایۂ ہُنر پوشیدہ دَر ہر طرف دُکانے چیدہ اند و خزفے چند دَر رِشتۂ دَرہم کشیدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خلقتِ ایں خلافت بکسے سزد کہ الفاظش بر قامتِ معنی چسپاں است۔ ع:

"لفظے باید کہ پرورد معنی را"

لفظ و معنی کے اس نازک رشتے کے احساس کے ساتھ غنیؔ کو شعر کی ماہیت کا جو عرفان تھا، اس کا اندازہ اُس روایت سے ہوتا ہے جس کا تعلق عنایت خان آشنا کے ساتھ ہے۔ آشنا نے کہا تھا کہ جو شعر ایک بار پڑھنے یا سُننے سے سمجھ میں نہ آئے، وہ بے معنی ہے۔ غنی کا رد عمل اُن کے میزانِ شعر کا بڑا بلیغ اِشارہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ "عنایت خان کی شعر فہمی پر جو اعتماد تھا، وہ آج سے جاتا رہا۔" جو شاعر اس پائے کی تنقیدی حِس رکھتا ہو، اُس کے تمام شعری سرمایے کو "دعوٰی و دلیل" کی نذر کرنا ویسا ہی جابرانہ فتوٰی ہے، جیسا سارے کلامِ میرؔ کو "آہ" اور سارے کلام سوداؔ کو "واہ" قرار دینا۔ اگر غنیؔ کا کلام اتنا ہی بے مایہ ہوتا تو میر تقی میرؔ جیسا شاعر محض یہ نہ کہتا ع:

ایسا گدا شاعر نہیں ہوں میرؔ میں
تھا میرا سر مشق دیوانِ غنی

ورنہ میرزا غالبؔ اُن کا حوالہ دیئے بغیر اِن کے اس فارسی شعر ع

شُد روشنم زِ شمع کہ در بزمِ حریفان
خاموش شُدن مرگ بود اہلِ زبان را

کو اُردو الفاظ میں مُنتقل کر کے اِتراتے ع

زبانِ اہلِ زبان میں ہے مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیٔ شمع

مرزا عبدالقادر بیدلؔ جیسے نازک حس شاعر سے جب کسی نے کہا کہ ع:

حُسنِ سبزے بہ خطِ سبزے مرا کرد اسیر
دام ہر رنگ زمین بود گرفتار شُدیم

جلال اسیر کا ہے تو ان کا ردّعمل یہ تھا:

"اگر ایں شعر از جلال اسیرے بود و من گُفتن شعر ترک مے کردم کہ در لطافت لفظی و معنوی او (غنی) مُنفرد مے بود۔" (نسخہ چھاپی۔ نول کشور۔ ۱۸۷۶ء)

غنیؔ کے یہاں اچھے اور اعلیٰ اشعار کی کمی نہیں ہے اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اُن کا موجودہ دیوان اُن کے لاکھوں اشعار کی بس ایک چھوٹی سی نشانی ہے، جنہیں اُنھوں نے اپنی زندگی میں ہی غرقاب کر دیا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار کی جہتیں اور لرزشیں اعلیٰ شاعری کے معیار و میزان کا پتہ دیتی ہیں اور اُن کے کلام پر یک رُخے فیصلوں کے خلاف احتجاج کرتی ہیں:

حمایل کرد شیریں دستِ خود در گردنِ خسرو
ولے میلِ حنا بستن زِ خونِ کوہ کن دارد

غنیؔ روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کُند چشمِ زلیخا را

با سایہ ترا نمی پسندم
عشق است و ہزار بدگمانی

کُند در ہر قدم خلخال فریاد
کہ حُسنِ گلرخاں، پا در رکاب است

جلوۂ حُسن ترا آرد مرا بر سرِ فکر
تو حنا بستی و من معنئ رنگیں بستم

زِ بیمِ ہجر و اُمیدِ وصالِ آں محبوب　　گداخت خامہ و بالید در کفم مکتوب

غنی در مُلکِ دُنیا انقلابے آرزو دارم
کہ خاک از گردشِ گردوں غُبار آسیا گردد

اپنے زمانے اور اُس کے بعد مدت تک وہ کشمیر کے ہی نہیں ہندوستان کے اہم ترین فارسی گویوں میں شمار ہوتے تھے اور ایرانِ کبیر کے ممتاز سخن وروں کو ایرانِ صغیر کے تحائف میں سب سے زیادہ جس سوغات کی تلاش رہتی، وہ غنیؔ کے تازہ اشعار ہوتے تھے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں غنیؔ کو از سرِ نو دریافت کرنے اور اُس کی اسطور کو فروغ دینے کا سہرا اُسی شخصیت کو حاصل ہے جو غنیؔ کی سرزمین کی مٹی سے کھلا ہُوا گلاب[1] تھا، علامہ اقبالؔ نے اپنے آسمانی سفر "جاوید نامہ" میں فقط ایک کشمیری کا نام لے کر ذکر کیا ہے اور وہ ہیں ؏

شاعرِ رنگین نوا طاہر غنی
فقرِ او باطن غنی ظاہر غنی

یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ اقبالؔ نے اسی 'مستِ مدام' کے گلو سے کشمیر کی بخت بیداری اور اُس کی سُرخروئی کی بشارت سُنائی ہے۔ چنانچہ اُس وقت جب بظاہر کشمیر کے مطلع پر مایوسی اور نا اُمیدی کے بادل چھائے ہوئے تھے، روحِ غنیؔ نے 'شاعرِ زندہ رُود' کو یہ مژدہ سُنایا ہے ؏

"کاروانہا را صدائے تو دَرا ! | تو زِ اہلِ خطہ نومیدی چرا ؟
دِل میانِ سینۂ شاں مُردہ نیست | اخگرِ شاں، زیرِ یخ افسُردہ نیست
باش تا بینی کہ بے آوازِ صُور | ملّتے بر خیزد از خاکِ قبور"

اور پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ ابھی اس بشارت کی روشنائی بھی سوکھنے نہ پائی تھی کہ سنہ ۱۹۳۱ء میں کشمیری قوم ہڑبڑا کر اُٹھی اور اُس نے اس بہشت زار میں ایک تازہ آشوب برپا کر دیا جس کے جھٹکے ابھی تک اس کے بطن سے تخلیق و تحریک کا لاوا اُگل رہے ہیں۔ یہ بات بھی بڑی غور طلب ہے کہ غنیؔ اِس رفعت سے جو پیغام دیتے ہیں وہ کشمیریوں کو تجدید سے توسیع اور علاحدگی

---

[1]: تنم گلے ز خیابانِ جنتِ کشمیر (اقبالؔ)

سے آفاقیت کی طرف سفر کرنے کی ترغیب دیتا ہے ؏

زیستن اندر حدِ ساحل خطاست

ساحلِ ما سنگ اندر راہِ ماست!

اقبالؔ نے غنیؔ کو کشمیریوں کی مستقبل شناسی اور انقلاب پسندی کا سمبل بنایا ہے تو اُس کی توجیہہ اور تاویل بھی غنیؔ کی زندگی اور کلام میں موجود ہے اُن کے کلام میں کشمیر کی گُل زمینی، اس کے موسموں، اس کے عقائد و اعتقادات، رسوم و رواج اور آنسوؤں اور آہوں کا زمزمہ گونجتا ہے اور اس کی مٹی کی بو باس مہکتی ہے۔ غنیؔ نے چنار کے متعلق کہا تھا ؏

میزند پہلو بہ نخلِ طور از آتش چنار

یا

تا کُند دریوزۂ آتش بہ گلشن از چنار

کاسہ بر کف ہست سرو از آشیانِ بُلبلاں

کیا عجب کہ اقبالؔ نے آتش چنار کی ترکیب اُنہی سے لے کر اپنا یہ برجستہ شعر لکھا ہو ؏

جس خاک کے ضمیر میں ہو آتشِ چنار

مُمکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

خاص طور جب ہم یہ بات زیرِ نظر رکھیں کہ اقبالؔ نے غنیؔ کے اشعار کی تضمینیں لکھی ہیں۔ اُن سے متعلق روایات کو نظم کر کے نئی زندگی عطا کی ہے اور اُن کا ذکر ہر جگہ عقیدت اور محبت سے کیا ہے۔

غنیؔ نے اپنی طباعی، خلاقی اور ہُنرمندی سے کشمیر کا نام اطراف و اکناف میں روشن کیا۔ اگرچہ وہ اپنے زمانے کی سرکاری زبان میں سُخن سرا تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی مادری زبان کی ایک ترکیب استعمال کر کے صائبؔ جیسے شاعر کو اس کے معنی تلاش کرنے کے لئے کشمیر کا سفر

کرنے پر اُکسایا۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ فارسی جیسی ترقی یافتہ زبان میں بھی اس ترکیب کا کوئی موسیقی آور اور بلیغ مترادف موجود نہیں اس طرح یہ کشمیری زبان کی معنویت کا استعارہ بن جاتا ہے اور غنی کشمیری زبان کی تاریخ میں بھی اپنی جگہ سنوارتے ہیں۔

موئے میانِ تو "شُدہ کرالہ پن"

کرد جُدا کاسہ سرہا ز تن

اِس بات کی معنویت اس بات کو مدِ نظر رکھ کر اور بڑھ جاتی ہے جب ہم یاد کریں کہ اُس سے پہلے فارسی دُنیا میں صرف کشمیر کی خوبصورتی اور کشمیریوں کی دل پذیری کا ہی ذکر تھا۔ اور حافظ جیسا شاعر کہتا تھا۔ ع

زِ شعرِ حافظ شیراز مے گویند و مے رقصند

سیاہ چشمانِ کشمیری و تُرکانِ سمرقندی

یہ بات بھی غنی کے دلِ دردمند اور اُن کی بالغ نظری کی دلیل ہے کہ اُنھوں نے اپنے وقت میں اپنے وطن کی محرومیوں کی طرف جگہ جگہ اِشارہ کرکے اپنی قومی حمیت کا ثبوت دیا ہے۔

کُدام باز در کارِ آشیاں بندی است

کہ ہست حکم پرِ کاہ بالِ مُرغاں را

روزئی ما میشود آخر نصیبِ دیگراں

طالع سرگشتہ ہمچوں آسیا داریم ما

غنی کا کلام اُن کے زمانے میں توقیر اور فیشن کی چیز تھا۔ کشمیر میں آج بھی پُرانے قبرستانوں میں سنگ ہائے مزار پر اُن کا یہ شعر اتنی کثرت سے کندہ نظر آتا ہے کہ اس میں ایک تعویذ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ع

آسودگی بہ گوشۂ ہستی ندیدہ ایم

سرگشتہ ایم و کُنجِ مزارے خریدہ ایم

لیکن اُن کی ہزار شیوگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مہدی افادی جیسا بانکا ادیب اُن کے اس رنگین شعر کو چٹخارے لے کر استعمال کرتا ہے۔ ع[1]

سیاہ چوری بہ دستِ آں نگارے

بہ شاخِ صندلی پیچیدہ مارے

ایسے پہلودار اور طرحدار شاعر کو صرف تمثیل اور ابہام کے خیمۂ حُباب میں محصور کرنا ایک ایسی فروگذاشت ہے جس کی تلافی کرنے کا موقع آگیا ہے اور خاص طور اُن کی رُباعیات میں جو مستی اور برجستگی ملتی ہے اُس پر تازہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ ع

چو میوہ کہ بماند بزیرِ برگ نہاں

دیوانِ غنیؔ کے پہلے ایڈیشن میں ایک تسامح رہ گیا ہے۔ جس کی تصحیح کرنا ادبی تقاضوں کی مناسبت سے لازمی معلوم ہوتا ہے۔ دیوان کے مختلف نسخوں کا ذکر کرتے ہوئے علی جواد زیدی صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں :-

"دیوانِ غنی کے جو نسخے اب تک دستیاب ہو چکے ہیں۔ اُن میں آگرہ والا نُسخہ (۱۱) سب سے قدیم نُسخہ ہے۔ یہ نُسخہ اب اکیڈمی نے خرید لیا ہے۔ کاتب کا نام تو معلوم نہیں ہے لیکن کتابت خوشخط اور صحیح ہے۔ تاریخ تحریر ۱۱۸۰ھ ہے چونکہ اس نسخہ کی ابتداء کے چند صفحات موجود نہیں ہیں۔ اس لئے یہ بات قطعیّت سے نہیں کہی جاسکتی کہ یہ دیوان مُسلم کا ترتیب دیا ہوا ہے یا ماہر کا۔ چونکہ مُسلم نے غنی کے مرنے کے ایک سال بعد ہی دیوان کو کشمیر میں مُرتب کیا ہے اس لئے اگر یہ اُسی نُسخے کی نقل ہے۔ تو یہ کشمیر میں ہی لکھا گیا ہوگا۔

---

[1] : ملاحظہ ہو "افاداتِ مہدی"۔

اس دیوان پر کچھ مُہریں بھی ثبت تھیں جو مٹا دی گئی ہیں۔ ان مہروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کافی مکمل اور ضخیم ہے اور اس میں اور مسلم کے مرتّب کردہ نسخہ میں بہت کم فرق ہے۔"

اس کے بعد "اشارات" کے تحت زیدی صاحب صفحہ ۴۹ پر رقمطراز ہیں :۔

" (۱۱) نسخہ آگرہ خرید کردہ جموّں وکشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، نام کاتب نامعلوم۔ تاریخ تحریر ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۶۶۹ئ سنہ۔ قدرے ناقص الاول، خوشخط و صحیح۔ تاہنوز قدیم ترین نسخہ۔"

جیسا کہ دونوں اقتباسات سے روشن ہے کہ ایک ہی نسخے کی بات کرتے ہوئے دو مقامات پر ایک صدی کا فرق رہ گیا ہے۔ پہلے اقتباس میں سن ۱۱۸۱ھ دیا گیا ہے اور دوسرے میں ۱۰۸۱ھ۔ ظاہر ہے کہ یہ کتابت کا سہو ہے اور پروف پڑھنے والے سے بھی چوک ہوگئی ہے۔ لیکن معاملہ اُس وقت اور زیادہ پُراسرار بنتا ہے جب ہم اس نسخے پر دوسری نظر ڈالتے ہیں۔ زیدی صاحب نے اس نسخے کا ACCESION نمبر نہیں دیا ہے۔ لیکن اکادمی کے مخطوطات میں ایک نسخہ اس وقت ACCESION NO.174 کے تحت موجود ہے۔ اس پر جگ موہن لال ایڈوکیٹ مائی تھان آگرہ کا نام لکھا ہوا ہے اور آخر میں COLOPHON کے طور پر "یوم پنج شنبہ ۱۵، ماہ رمضان ۱۰۸۳ھ" کی تاریخ لکھی ہوتی ہے۔ اس نسخے کے متعلق باقی تفاصیل علی جواد زیدی کی دی ہوئی تفصیلات سے پوری طرح ملتی ہیں۔ جس میں ناقص الاول ہونا اور مہروں کا مٹا ہوا ہونا بھی شامل ہے۔ حیرت ہے کہ اتنے اہم معاملے کو پڑھنے میں ایسی غلطی کیوں کر واقع ہوئی ہے۔ اس طرح اگرچہ اس نسخے کی عمر تین سال کم ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ تاہنوز دیوانِ غنی کا قدیم ترین نسخہ ہے۔ زیدی صاحب لکھتے ہیں کہ: مسلم شاگردِ غنی نے غنی کی وفات (۱۰۷۹ھ) کے ایک سال بعد پہلا دیوان ترتیب دیا تھا۔ اگر زیدی صاحب کا متذکرہ نسخہ مسلم کا اصل نسخہ نہیں ہے، تو سوال یہ ہے

کہ کیا زیدی نے مُسلم کا مُرتب کردہ اصل نسخہ دیکھا تھا یا اُن کے بیان میں یہ جھول غیر دانستہ طور پر پیدا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس کی نقول بنانے اور مُنتشر ہونے میں کچھ مُدت ضرور صَرف ہوئی ہوگی اس لئے ۱۰۸۲ھ کا سَن ویسے بھی حقیقت کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ زیدی صاحب کا یہ بیان بھی تقریباً چیستان کے برابر ہے کہ اس میں اور مُسلم کے مُرتب کردہ نُسخے میں بہت کم فرق ہے حالانکہ وہ کچھ ہی سطروں کے بعد سوالیہ انداز میں لکھتے ہیں کہ "اگر یہ اُسی نُسخہ کی نقل ہے . . . . . . "

اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ریاض احمد شیروانی نے اکادمی کی طرف سے ۱۹۷۱ء میں شایع ہونے والی "غنی کشمیری" میں زیدی کی ہی اطلاع کو دُہرایا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ جہاں زیدی نے اس نسخے کو مُسلم کے نسخے کی نقل گردانا ہے۔ وہیں شیروانی نے اسے مُسلم کا نام لکھے بغیر اُن ہی کا پہلا مُرتّب کردہ دیوان قرار دیا ہے۔

"اشعارِ غنی بطوریکہ گفتہ شُد دَر ہماں سالِ وفاتِ شاعر بشکلِ دیوان در آمد۔ این دیوان کہ در سال ۱۰۸۰ھ یعنی فقط یک سال بعد از وفاتِ غنی آمادہ شُد در اکادمی فرہنگ و ہُنر و زبانہا مُتعلق بہ استان جموں و کشمیر موجود و بدون تردید قدیم ترین نُسخہ دیوانِ غنی میباشد۔"

ظاہر ہے کہ زیدی کی بات شیروانی تک آتے آتے بتنگڑ بن گئی ہے اور اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی روایت کو بذاتِ خود پرکھنے کے بغیر باور کرنے میں کیا کیا خطرات لاحق رہتے ہیں۔

(اس نُسخے کے آخری صفحے کا فوٹو عکس طبعِ ثانی میں شایع کیا جا رہا ہے۔ جس میں تاریخ اور سَن صاف نظر آتے ہیں)۔

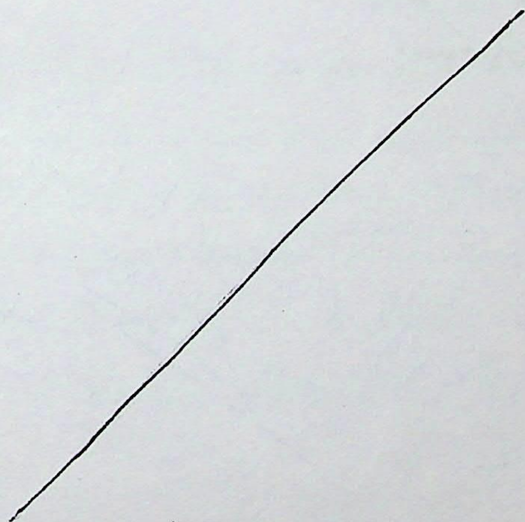
"دیوانِ غنی" کا یہ طبعِ ثانی ہمارے پہلے ایڈیشن کا فوٹو آفسیٹ عکس ہے۔ طبعِ اوّل کی خطاطی مرحوم پیر حسام الدین خانیاری نے کی تھی۔ وہ کشمیر کے مکتبِ خطاطی کے قدیم سلسلے کے آخری روشن ستارے تھے۔ اُن کا خط اتنا پاکیزہ اور بصارت افزوں

ہے کہ اُس کی نظیر اب میسّر نہیں ہوسکتی۔ اس طرح سے یہ ایڈیشن مُلّا طاہر غنی اور اُن کے دیوان کے مُرتبین کے ساتھ ساتھ پیر حسام الدّین کو بھی خراجِ عقیدت ہے۔ اُمیّد ہے کہ طبعِ ثانی کی اشاعت سے غنی نوازوں کا نشۂ سخن تسکین پا سکے گا۔ اور وہ غنی کا یہ شعر اپنے ہونٹوں پر پائیں گے۔

اے بادِ صبا طرب فزا مے آئی
گویا کہ زِ کوئے یارِ ما مے آئی

سرینگر
۲۸ر اکتوبر ۱۹۸۴ء

محمّد یوسف ٹینگ
سیکریٹری



مقدّمہ

ہندوستان کے متاخرین شعراء فارسی میں غنی کشمیری کو غیر معمولی شہرت اور قبول عام حاصل ہے۔ یہ شہرت کسی خاص خطّے یا طبقے تک محدود نہیں رہی ہے۔ ہر دور میں غنی کے جاننے اور ماننے والے کشمیر سے راس کماری تک پھیلے رہے ہیں اور ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے ہندوستان کے علاوہ ایران، افغانستان اور وسطی ایشیا کے ان تمام ممالک میں جہاں فارسی کا چلن تھا، غنی کا نام پہنچ چکا تھا اور خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔ غنی کے ہم عصروں میں قدسی اور کلیم اہل زبان ہونے کے علاوہ، شاہجہاں کے دربار میں "ملک الشعرائی" کے منصب جلیل پر بھی فائز تھے، لیکن ان کے دواوین کو بھی وہ وسیع حلقۂ اشاعت نصیب نہیں ہوا، جو دیوانِ غنی کے حصّے میں آیا۔ حتیٰ کہ صائبؔ اور عرفیؔ جیسے رہبرانِ فن اور رسالکانِ تجدّد کے کلیات بھی اشاعتِ عام اور تکرارِ طباعت سے محروم رہے۔ غنی کو اپنے زمانۂ حیات ہی میں ایک ہمہ گیر شہرت حاصل ہو گئی تھی اور غنی نے اپنے اشعار میں جا بجا اس بات کی طرف اشارے بھی کئے ہیں:-

اشعارِ آبدارم تا شد محیطِ عالم	اندا ختند در آب یاران سفینہ ہا را
غنی چرا صِلۂ شعر از کسے گیرد	ہمیں بس است کہ شعرش گرفتہ عالم را
مشہور در سوادِ جہان از سخن شدیم	ہمچون قلم سفر بزبان می کنیم ما
از خلق بگوشہ نشستم پنہان	میگردد ازین رو سخنم گردِ جہان

چناں نام من روشناس ست در ہند — کہ نقش نگیں در میان سیاہی

بود گو یا طفل نو رفتار شعر تازہ ام — کہ لبم تا رفت بیرون بر زبانہا او فتاد

ان اشعار سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کا کلام ان کی زندگی ہی میں نہ صرف اطراف و اکناف ہند میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی دور دور تک مشہور ہو چکا تھا۔ ان اشعار میں جابجا ساری دنیا کا ذکر آیا ہے، اس سے وہی ممالک مراد لئے جا سکتے ہیں جہاں فارسی بولی یا سمجھی جاتی تھی جیسے افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا ان ملکوں میں اہل کشمیر تجارت یا تعلیم کے سلسلے سے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ انھیں کی وساطت سے غنی کا کلام دور و نزدیک پہنچا رہا ہوگا۔ اپنے اشعار کے ایران تک پہنچنے کا ذکر تو غنی نے ایک شعر میں صراحۃً کیا ہے:-

با ایران سخن ما روان می رود — چہ ایران سخن در جہاں می رود

چنانچہ فارسی شاعری کے مؤرخین، بالخصوص اہل ایران نے، جن چند ہندوستانی فارسی گویوں کے تذکرے کئے ہیں ان میں غنی کا بھی نام ہے اور دیوانِ غنی کے نسخے تاشقند لائبریری میں بھی پائے جاتے ہیں۔ غنی کے کلام کی خصوصیات اور شہرت سے متاثر ہو کر ارباب ذوق نے ان کا کلام بیاضوں میں نقل کرنا شروع کر دیا تھا۔ غنی کا منتخب کلام بیاضوں میں درج کرنے والوں کی فہرست میں صائب جیسا صاحبِ نظر بھی شامل تھا۔ اس انتخاب صائب سے اکثر تذکرہ نگاروں نے استفادہ بھی کیا ہے۔ میر علاء الدولہ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

"اشعارش (اے اشعار غنی) اول از بیاض مذکور و باقی از انتخاب دیوانش کہ مؤلف تذکرہ نمودہ وار دیگر تذکرہ ہا و سفینہ ہا مرقوم می شود۔" [1]

بعض بیانات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ غنی کا کلام نقل کر کے ایران وغیرہ لے جایا کرتے تھے "مجمع النفایس" وغیرہ کی روایات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ہندوستان سے واپسی کے بعد صائب برابر کلام غنی کی تلاش میں رہتا تھا۔ جب بھی کوئی ہندوستان سے ایران جاتا تو صائب اس سے یہ سوال

---

[1] تذکرۃ الشعراء از میر علاء الدولہ۔ ص ۶۷۔

صرف یہ کرنا کہ میرے لئے ہندوستان سے کیا تحفہ لائے ہو؟ اور تحفہ سے اُس کی مراد ہمیشہ کلامِ غنی ہوتا۔[۱]

میر حسین دوست سنبھلی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ صائب نے غنی کے ایک شعر کا مطلب دریافت کرنے کی غرض سے ایران سے کشمیر تک کا سفر کیا تھا۔ وہ شعر یہ تھا:۔

موئے میانِ تو شدہ کرالہ پن   کرد جدا کاسۂ سرہا زتن

سنبھلی کے بیان کے مطابق مقصدِ سفر لفظ "کرالہ پن" کے معنی کی تحقیق تھی۔ ملاقات ہونے پر صائب نے غنی سے یہی سوال کیا کہ کیا کرالہ پن کوئی ایسا رشتہ ہے جس سے کاسہ کو چاک سے جدا کرلیتے ہیں۔ غنی نے جواب دیا کہ "ہاں" ایسا ہی ہے۔[۲] اس روایت کو محمد حسین آزاد نے بھی ضمنی اختلافات کے ساتھ دہرایا ہے۔[۳] لیکن سنبھلی کے اس بیان پر مولوی اکرام الحق نے یہ رائے قایم کی ہے کہ:۔

"یہ درست نہیں کہ مرزا صائب محض غنی کی ملاقات کیلئے ایران سے چل کر آئے"۔[۴]

اور ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے بھی لکھا ہے کہ "روایت مذکور کاملاً اشتباہ ہے"۔[۵] لیکن ڈاکٹر عابدی نے جو وجہ اشتباہ بتائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انھوں نے اس عام مفروضہ پر یقین کرلیا ہے کہ غنی کی شاعری کی ابتدا سنہ ۱۰۶۰ھ میں ہوئی تھی اور چونکہ صائب کشمیر میں سنہ ۱۰۴۲ھ میں آیا تھا، اس لئے امیر حسن عابدی کو یہ خیال گذرا کہ اُس وقت تو غنی نے شاعری شروع بھی نہیں کی تھی، لیکن اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں کہ صائب کی آمد کے پہلے ہی غنی نے شاعری شروع کردی تھی۔ تذکرہ نگاروں نے اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ غنی نے اپنا کلام صائب کو دکھایا اور اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ باہم شعر و سخن کی محفلیں رہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ صائب نے اپنی بیاض میں کلامِ غنی کا انتخاب درج کیا۔ اور بھی شہادتیں ہیں۔ وجہ اشتباہ یہ تو نہیں ہے لیکن سنبھلی کی روایت اس لئے بھی غلط معلوم ہوتی ہے کہ صائب کی آمدِ ہندوستان کے اسباب کچھ اور ہی تھے۔ اگر "کرالہ پن" کے معنی دریافت کرنا اُن کے سفر کا مقصد ہوتا تو وہ ایران سے سیدھے

---

[۱] "مجمع النفائس"۔ و "مجمع الفصحا"۔ [۲] "تذکرۂ حسینی"۔ ص ۲۲۹۔ [۳] "نگارستانِ فارس"۔ ص ۱۸۳
[۴] "معارف"۔ اعظم گڑھ۔ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء [۵] "آہنگ"۔ دہلی۔ ستمبر سنہ ۱۹۵۹ء +

کشمیر آتے، لیکن ایسا نہیں ہُوا بلکہ صائب جہانگیر کے زمانے میں تجارت کے سلسلے سے ہندوستان آئے اور جہانگیر کے دربار میں رسائی پائی۔ پھر شاہجہاں کے دربار میں ان کی شاعری کے جوہر چمکے اور انھیں ہزاری منصب اور مستعد خان کے خطاب سے نوازا گیا اور شاہجہاں کے ہمراہ انھوں نے دکن کا سفر کیا۔ شاہی دربار میں ہی ظفرخان احسن سے تجدید ملاقات ہوئی۔ جب ظفرخان احسن کشمیر کا صوبہ دار مقرر ہُوا تو وہ صائب کو کشمیر لے گیا۔ [1] رضازادہ شفق نے صائب کے ہندوستان آنے کا تعین ۱۰۳۶ھ میں کیا ہے اور سفر کی وجہ وطن میں بے قدری بتائی ہے۔ [2]
ان تفاصیل کو دیکھتے ہوئے اور کشمیر آنے کے پہلے دلّی اور دکن میں قیام کی طویل مدّت کو پیش نظر رکھتے ہوئے 'تذکرہ حسینی' کی روایت افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ البتّہ اتنا باور کرنے میں مجھے تامل نہیں ہے کہ صائب نے قیام کشمیر کے دوران لفظ 'کرالین' کے معنی کے لئے غنی سے رجوع کیا ہو۔

یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ ۱۰۳۶ھ کے پہلے ہی غنی کے کلام کی شہرت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن ۱۰۴۲ھ کے بعد اُن کی شہرت کا غلغلہ یقیناً ایران تک پہنچا۔ عہد شاہجہانی میں ایرانی شعرا کا ایک بڑا قافلہ کشمیر آیا، بالخصوص ظفرخان احسن کی ادب نوازی بہتوں کو کشمیر کھینچ لائی۔ یقین ہے کہ یہ صاحبانِ علم اور دلدادگانِ فن یقیناً غنی کے اشعار اپنے ساتھ لیجاتے رہے ہونگے اور صائب تو مصدقہ روایات کی بنا پر انتخاب کلامِ غنی اپنے ساتھ لے ہی گیا تھا اور اپنے وطن والوں کو اس سے متعارف بھی کرایا تھا۔

آج غنی کی وفات کو تین صدیاں بیت چکی ہیں اور ہندوستان، پاکستان اور وسطی ایشیا وغیرہ میں فارسی کا رواج بتدریج کم ہوتا جارہا ہے۔ وسطی ایشیا میں تو اس زبان سے دلچسپی رکھنے والے گنے چُنے ہی رہ گئے ہونگے، لیکن اِن ممالک میں آج بھی غنی کے نام لیوا موجود ہیں۔ وہ بیک ہندی، جس کے اہم ترین پیرو غنی تھے اب مزاج زمانہ کے بدل جانے سے مقبول

[1] "بزم تیموریہ" ۔ ص ۱۹۵ - ۱۹۷ [2] "تاریخ ادبیات ایران" ۔ (اردو ایڈیشن) ۔ ص ۴۶۵ +

نہیں رہ گیا ہے، پھر بھی ادب فارسی کا کوئی مؤرخ صائب کی طرح غنی کے نام کو بھی کبھی فراموش نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ دونوں ایک نئے اسلوب کے نمایاں نمائندے ہیں اور ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ شعراء ان کے رنگ کی پیروی کو اپنا ایمان سمجھتے تھے۔

غنی اپنے دیوان کی طباعت کے سلسلے میں بھی بہت خوش قسمت رہے ہیں۔ اب تک مطبع مصطفائی، مطبع آصفی اور مطبع نولکشور کے جو نسخے میری نظر سے گذرے ہیں اُن کے حساب سے بھی دیوانِ غنی کم از کم گیارہ بار تو ضرور ہی طبع ہو چکا ہے۔ اسی طرح قلمی نسخے بھی بے شمار ہیں۔ کوئی بائیس نسخوں سے تو صرف زیر نظر نسخہ کی ترتیب و تصحیح ہی میں مدد لی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی نسخے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں۔ بدقسمتی سے اس شہرت اور ارباب ادب کی مسلسل توجہ کے باوجود، غنی کے دیوان کا کوئی تصحیح شدہ اور مصدقہ نسخہ طبع نہیں ہُوا ہے۔ جن چند نسخوں تک عام لوگوں کی رسائی تھی اُن میں بے حد اختلافات تھے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ دیوان غنی کا ایک قابل اعتبار ایڈیشن شائع کیا جائے۔ چنانچہ جموّں و کشمیر اکیڈیمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز نے اب سے کوئی چار برس پہلے یہ فیصلہ کیا کہ "دیوان غنی" کا تازہ ایڈیشن شائع ہو اور یہ خدمت جناب محمد امین داراب کے سپرد ہوئی۔ داراب نے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں کی سیر کی اور غنی کے بہت سے ایسے اشعار ڈھونڈ نکالے جو مطبوعہ نسخوں میں جگہ نہ پا سکے تھے۔ لیکن چند نسخے اُن کی نظر سے بھی گزر نہ پائے تھے اور مختلف نسخوں کا تقابل کر کے اختلافات کی نشاندہی بھی انھوں نے نہیں کی تھی۔ اس لئے تقابل و تطابق کا کام بھی مجھی کو کرنا پڑا اس میں کافی وقت صرف ہو گیا۔ کیونکہ داراب نے اشعار کی ترتیب بدل دی تھی اور ایک ایک شعر کے لئے ردیف وار غزلوں ہی کو نہیں فرد یات کو بھی چھاننا پڑتا تھا اور یہ کام بار بار کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں مزید قطع و بُرید اور اضافہ و ترمیم کی بھی نوبت آئی۔ جب نئے نسخوں اور بیاضوں تک رسائی ہوئی تو نئی معلومات کی روشنی میں ردّ و بدل ضروری ہو جاتا۔ اشعار کے ذیل میں تمام حواشی مجھی کو لکھنا پڑے

اب دو برس کی لگاتار محنت اور زبردست کاوش کے بعد یہ نسخہ اس قابل ہو گیا ہے کہ آپ کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

ترتیب دیوان | موجودہ دیوان کی ترتیب ردیف وار ہے۔ ہر ردیف میں پہلے مکمل غزلیں ہیں۔ پھر سہ بیتی و دو بیتی وغیرہ قسم کے متفرق اشعار اور آخر میں فردیات۔ غزلوں کے خاتمے کے بعد رباعیاں ہیں اور ان کی ترتیب بھی ردیف وار کر دی گئی ہے۔ آخر میں قطعات اور مثنویاں ہیں۔ خاتمے پر غنی کی ایک نثری تحریر ہے جس میں انھوں نے اس الزام سرقہ کی تفصیل بتائی ہے۔ جو اُن کے ایک دشمن نے ایک شعر کے سلسلے میں اُن پر عائد کر دیا تھا۔ یہ ترتیب ہر مطبوعہ اور قلمی نسخے کی ترتیب سے کسی نہ کسی حیثیت سے مختلف ہے۔ اضافہ شدہ اشعار مختلف قلمی نسخوں سے لئے گئے ہیں۔ تقابل میں چند نسخوں سے تفصیلی اور چند نسخوں سے جزوی مدد لی گئی ہے۔ اور اس کو حواشی میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

مطبوعہ نسخوں میں حاشیے پر اشعار کی شرح بھی درج ہے۔ لیکن اس ایڈیشن میں شرح کو اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ اس سے حجم مزید بڑھ جاتا۔ اب حاشیہ پر شرح دینے کا رواج بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اسے تحتانی نوٹوں کی شکل میں ہی درج کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اختلاف نسخہ کی تشریح ہی سے تحتانی نوٹوں کا حجم بے حد بڑھ گیا تھا۔ اسے مزید بڑھانا مناسب نہیں تھا۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ اسے بعد میں اس دیوان کے ضمیمہ کے طور پر ضرور شایع کر دیا جائے۔

اکثر مخطوطہ اور مطبوعہ نسخوں کی ابتدا میں مرتّبِ دیوان مسلم کا دیباچہ بھی ہے۔ اسے بدستور شامل رہنے دیا گیا ہے۔ بعض فہرستوں میں دیوانِ غنی کے ایک اور ابتدائی مرتب محمد علی ماہر کے دیباچہ کا ذکر ہے۔ مثلاً بارہویں صدی کے وسط کے لکھے ہوئے قلمی نسخہ (ب) میں (جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی ملکیت ہے) آئی وناف، سوسائٹی کے مرتّب فہرست نے "دیباچہ ماہر" کی نشاندہی کی تھی۔ لیکن نسخہ دیکھنے پر پتہ چلا کہ یہ ماہر کا نہیں بلکہ اُسی مسلم کا دیباچہ ہے۔

اسی طرح ریو کے شاہی کتب خانے کے نسخہ دیوان غنی کے ذکر میں ماہر کے دیباچے کا ذکر کیا ہے لیکن دیباچے کی ابتدا اس رباعی سے بتائی ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ع "اے ذاتِ تو سرِ دفترِ افرادِ وجود" لہ لیکن یہی مسلم کے دیباچے کی بھی ابتداء ہے۔ غالباً آتھی و ناف کی طرح ریو کو بھی تسامح ہوا ہے۔

تاریخ تدوین دیوان غنی کے حالات کے بارے میں مختلف تذکرہ نویسوں کے بیانات میں جو عام تضاد پایا جاتا ہے وہی تدوینِ دیوانِ غنی کے سلسلے میں بھی ملتا ہے۔ "تکملۃ الشعراء" اور "تذکرہ حسینی" کی عبارتوں سے یہ قرینہ نکلتا ہے کہ غنی نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان خود مرتب کر لیا تھا۔ قدرت اللہ شوق نے صائب پر یہ الزام تراشا ہے کہ غنی نے جب اپنا دیوان صائب کو دکھایا تو انھوں نے چند اشعار نقل کر کے باقی دیوان کو غرقِ آب کر دیا اور پھر قدرت اللہ شوق نے افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "باید فہمید کہ مرزا صائب چہ ظلم و بے انصافی کردہ، خونِ ہمہ مضامین برگردن صائب ست،" ۲ے اس کے برعکس "تذکرہ حسینی" کی عبارت سے یہ گوشہ نکلتا ہے کہ غنی نے خود ہی اپنے کلام کو سپرد آب کر دیا تھا:-

"باز غنی دیوان خود را کہ از لک بیت برگزیدہ دہزار بیت بیاضی نگاہداشتہ وباقی را بآب دادہ پیشِ مرزا (ای میرزا صائب) گذاشت،" ۳ے

گویا صائب کی نظر سے گزرنے کے پہلے ہی ایک لاکھ اشعار کا کلیات پانی میں ڈبویا جا چکا تھا۔ لیکن مجھے اِن دونوں باہم متضاد بیانات میں سے کوئی بھی قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس کی شہادت موجود ہے کہ غنی نے زندگی بھر اپنا دیوان مرتب ہی نہیں کیا۔ یہ شہادت غنی کی معصر شہادت ہے اور خود اُن کے شاگرد مُسلم کی ہے۔ مسلم نے دیوان کے دیباچے میں صاف وصریح طور سے لکھا ہے کہ:-

(۱) طبع بدیہ پالیش ہرگز بفکرِ شعر سر فرود نیاوردہ و تدوینِ دیوان را تحصیلِ حاصل شمردہ".....

---

1. Bridish museum catalogue by charles Rieu - vol II Page 692

۲ے تکملۃ الشعراء - ص ۴۲۷ - ۳ے تذکرہ حسینی - ص ۲۲۸ +

(۲) سخنے چند کہ از ذاتِ شریفش یادگار ماندہ بود جز بر صفحۂ روزگار ثبت نمے نمود و خلقی چند کہ طبع لطیفش بجای خود نشاندہ چون یتیمان بے خانمان در سفینہ ہای مردم کوچہ بکوچہ میگردید۔ پیش از انکہ مسودۂ اشعارش نیز از جمعیت پذیرد و سخنان پایانش صورت دیوان گیرد، رشتۂ حیات از ہم گسیخت" ؎۱

اس تفصیلی بیان اور بالخصوص آخری جملہ سے یہ پوری طرح ثابت ہے کہ تا دمِ مرگ غنی کا دیوان مرتّب نہیں ہوا تھا۔ غنی یا صائب ڈبوتے کس کو؟ ہاں کچھ اشعار مسوّدہ کی صورت میں اور کچھ ایک بیاض پہ درج ملے۔ کچھ غنی کی شہرت کی بنا پر ان کے ہمعصروں کی بیاضوں میں درج پائے گئے۔ کچھ اشعار دوستوں اور جاننے والوں کے حافظوں میں محفوظ تھے مگر با قاعدہ دیوان کی صورت میں جمع نہیں ہو پائے تھے۔ غنی کی وفات کے بعد ان کے شاگرد مسلم نے یہ ارادہ کیا کہ غنی کا ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرعہ جہاں سے اور جس طرح سے مہیّا ہو سکے، جمع کر دیا جائے۔ اس طرح دیوان کی تدوین اسی سال ہوئی جس سال کہ "مرغ روح آن نیک سیر شاہراہ معنی یا طائر سخن بہ آشیانِ ملاءِ اعلیٰ شتافتہ و در فضایِ عالمِ ملکوت پرواز طائران قدس یافتہ" ؎۲ یہ بات تحقیق سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ غنی کا سال وفات ۱۰۷۹ھ ہے۔ اس لئے مسلم کی شہادت کے مطابق ۱۰۷۹ھ ہی میں سب سے پہلے دیوانِ غنی کی تدوین ہوئی۔

مرتّب دیوان

دیوان غنی کے بعض نسخوں میں یہ عبارت درج ہے:۔

"خواستم باتفاقِ خادم الفضلاء، ملک الشعراء، سر حلقۂ شاگردان رشید ملک شہید، بتدوین دیوان سحر بیانش حق شاگردی بتقدیم رسانم" ؎۳

اس عبارت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تدوین کے کام میں غنی کے ایک دوسرے شاگرد ملک شہید نے مسلم کا ہاتھ بٹایا تھا۔ لیکن بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ (ب) میں، جو بارہویں صدی ہجری کے وسط کی تحریر ہے۔ "باتفاقِ خادم الفضلاء، ملک الشعراء، سر حلقۂ شاگردان رشید،

؎۱ ؎۲ ؎۳ دیباچہ مسلم مشمولہ دیوان غنی +

ملک شہید" کا ٹکڑا ہی غائب ہے۔ جہاں اس کا امکان ہے کہ اس نسخے میں یہ حصہ سہواً نقل ہونے سے رہ گیا ہو وہاں اس کا قوی تر امکان ہے کہ یہ ٹکڑا الحاقی ہو اور ملک شہید کے کسی حمایتی نے نقل کرتے وقت بڑھا دیا ہو۔

بہر حال، مسلم کا تنہا یا ملک شہید کی اعانت سے دیوان کا مرتب کرنا تصویر کا ایک ہی رُخ ہے۔ محمد افضل سرخوش نے تدوینِ دیوانِ غنی کا شرف اپنے استاد محمد علی ماہر، متبنّائے میر جعفرِ معمّائی، کو بخشا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"دیوانش کہ سراپا انتخاب است مرزا محمد علی ماہر ترتیب دادہ، چنانکہ دیوانِ میر معز و ناصر علی را فقیر تدوین نمودہ" سلہ

محمد حسین آزاد نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ:۔

"اشعار اس کے بہت تھے اور مضامین دقیق۔ محمد علی ماہر نے عام فہم اور اچھے اچھے اشعار چھانٹ کر دیوان مرتّب کیا۔"

لیکن چونکہ مسلم نے صاف صاف لکھا ہے کہ مرتے دم تک غنی کا دیوان مرتّب نہیں ہو سکا تھا، اسلئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ ماہر نے بھی غنی کی وفات کے بعد ہی 'دیوان' مرتّب کیا ہوگا۔

ماہر کے مرتب کردہ دیوان کے نسخے اگر اب نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ البتہ مسلم کے مرتب کردہ دیوان کے نسخے ہر جگہ موجود ہیں۔ جن مرتبین فہرست نے ماہر کے دیباچے کا ذکر کیا ہے، بظاہر انھوں نے سرخوش کے بیان سے دھوکا کھا کر مسلم کے لکھے ہوئے دیباچے کو تحقیق کے بغیر ماہر سے منسوب کر دیا۔

اس بات کا دکھ ہے کہ دیوانِ غنی کی تدوین کرنے والے مسلم کے حالات کسی تذکرہ میں نہیں ملتے۔ دراصل یکہ مسلم شاعر بھی تھا۔ اس مقدمہ میں اُس کی رباعیاں، متفرق اشعار اور قطعات تاریخ موجود ہیں۔ ایک قطعۂ تاریخ میں تو تمام مصرعہ ہای ثانی عربی زبان میں ہیں۔ اس سے مسلم کے

سلہ "کلمات الشعراء" از سرخوش ص ۸۷ +

عالم و ادیب ہونے میں شبہہ نہیں رہ جاتا۔ دیباچہ کی عبارت سے بھی اس کی علمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اپنے شاگردِ غنی ہونے کا ذکر بھی اس نے خود ہی کیا ہے۔ تلاش کرنے کے باوجود اس سے زیادہ معلومات مسلم کے بارے میں نہیں مل سکیں۔

ملک شہید جنھوں نے بقولے تدوینِ دیوان میں مسلم کا ہاتھ بٹایا، قطعتہً گم عیر معروف ہیں۔ غالباً یہ وہی ملک شہید ہیں جنھیں لالہ ملک شہید بھی کہا گیا ہے۔ "تاریخ حسن" میں اُن کے متعلق یہ مختصر عبارت درج ہے:۔

"لالہ ملک شہید از مردم کشمیر بود۔ در شعر گوئی و تاریخ یابی سحر کاری میکرد و بنام حضرت محبوب سبحانی یکہزار و یکصد تاریخ تصنیف کردہ و از ہر یک بیت تاریخ ولادت و وفات آنجناب یافتہ میشود و از نوادر روزگار ست۔ از بسکہ در ورطہ تاریخ گوئی محو و مستغرق شدہ بود و برای تعزیہ و تہنیہ عام و خاص را تاریخ می برد۔ موجب آن بے وقر و ذلیل شدہ بود۔ در مجلس فتنہ ابراہیم خان بکمال طاقت بیان نظم کردہ است۔ از خوش طبعان وقت ست۔" [۱]

حسن کو یہاں بھی جو علی العموم تعریف و تنقیص میں بخل سے کام نہیں لیتے، لالہ ملک شہید کے بارے میں بہت متوازن نظر آتے ہیں۔ اسکے برعکس ایک غزل کے مطابق مسلم اُن کو "ملک الشعرا" (۱۶۱) اور "سر آمد حلقۂ شاگردانِ رشید" جیسے القاب سے یاد کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں یارانہ جنبہ داری کو بھی دخل ہو۔

مختلف نسخے دیوانِ غنی کے جو نسخے اب تک دستیاب ہو چکے ہیں اُن میں آگرہ والا نسخہ (۱) سب سے قدیم ہے۔ یہ نسخہ اب اکیڈمی نے خرید لیا ہے۔ کاتب کا نام تو معلوم نہیں ہے لیکن کتابت خوشخط اور صحیح ہے۔ تاریخ تحریر ۱۰۸۰ھ ہے۔ چونکہ اس نسخہ کی ابتدا کے چند صفحات موجود نہیں ہیں، اس لیے یہ بات قطعیت سے نہیں کہی جا سکتی کہ یہ دیوان مسلم کا ترتیب دیا ہوا ہے یا کسی اور کا۔ چونکہ مسلم نے غنی کے مرنے کے ایک سال بعد ہی دیوان کو کشمیر میں مرتب کیا ہے، اس لئے اگر یہ اُسی نسخہ کی نقل ہے

---

[۱] "تاریخ حسن" حصہ چہارم مطبوعہ ص ۲۸ - ۲۷ +

تو یہ کشمیر ہی میں لکھا گیا ہوگا۔ اس دیوان پر کچھ مہریں بھی ثبت ہیں جو مٹا دی گئی ہیں۔ ان مہروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی امیر یا شاہزادے نے اسے اپنے کتب خانے کے لئے حاصل کیا تھا۔ یہ نسخہ کافی مکمل اور ضخیم ہے اور اس میں اور مسلم کے مرتّب کردہ نسخہ میں بہت کم فرق ہے۔

سب سے پہلے دیوانِ غنی کی طباعت کب ہوئی، یہ بتانا مشکل ہے۔ لیکن جو قدیم ترین نسخہ ابتک دیکھنے میں آیا ہے وہ مطبع مصطفائی، لکھنؤ ہی کا ہے۔ یہ نسخہ سنہ ۱۲۶۱ھ / سنہ ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا۔ اس نسخہ کے آخر میں مالک مطبع نے یہ عبارت درج کی ہے:۔

”این احقر عباد اللہ الغفور، محمد مصطفیٰ خان ولد حاجی محمد روشن خان مبرور و مغفور این نسخۂ ناسخۂ دواوین معاصرین را از شرح عمدۂ شارحین خلیفہ عبدالرزاق یمینی جعلہ اللہ من اصحاب الیمین و دیگر نسخِ صحیحہ قدیمہ و کتبِ اصطلاحات لغات و تحشی میر ناصر علی متخلص بصبیر بپایۂ تصحیح رسانیدہ و اشعار شعری شعار و دیگر نصائیف لطیفش را بر طبق نسخۂ مرقومہ سنہ ۱۱۰۲ھ یکہزار و یکصد و دو بخط ولایت نہایت پسندیدۂ ارباب این فن منقول و مرتب کنانیدہ در مطبع مصطفائی واقع محلہ محمود نگر نزد اکبری دروازہ منجملاتِ بیت السلطنت لکھنؤ بتاریخ بست و ہفتم رمضان المبارک سنہ ۱۲۶۱ھ پیرایۂ طبع پوشانید۔“ ؎۱

یہ ۱۱۰۲ھ والا نسخہ جو مصطفائی والوں کے پیش نظر تھا ابھی تک دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے قدیم نسخے محمد مصطفیٰ خان نے دیکھے تھے اُن کا بھی کسی کو علم نہیں ہے لیکن مصطفائی والوں نے تصحیح میں کافی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے خلیفہ عبدالرزاق یمینی کی شرح اور میر ناصر علی صبیر کے حواشی سے مدد لی ہے مشکوک مقامات کی تصحیح میں کتب اصطلاحات ولغات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ آصفی یا نولکشور والوں نے تصحیح وغیرہ میں اتنا اہتمام نہیں برتا، اگرچہ ترویج دیوان میں مطبع نولکشور کی اہمیت صرف اس ایک بات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اس کے نو ایڈیشن

؎۱ تتمۂ ”دیوان غنی“ مطبوعۂ مصطفائی پریس لکھنؤ۔ (سنہ ۱۲۶۱ھ) +

لگاتار چھاپے۔ نویں ایڈیشن کی ابتداء میں ناشر نے مندرجہ ذیل نوٹ بھی شایع کیا ہے :۔

"چونکہ دیوانِ غنی بہت عرصہ سے اُسی قدیم طریقہ سے چھپتا چلا آرہا تھا اور اُس میں اغلاط چند در چند پائے جاتے تھے۔ لہٰذا اس مرتبہ مطبع ہٰذا نے خاص توجہ سے کام لیا اور بہت سے قدیم اور مطبوعہ نسخوں سے اس کی تصحیح کرائی گئی۔ جو اشعار کہ مروّجہ دواوین میں موجود نہیں ہیں اور قدیمی قلمی نسخوں میں موجود ہیں اُن کا بھی اضافہ کر کے شایع کیا ہے۔" [1]

دیوان کے بعض ایڈیشنوں میں ایسے اشعار کا بھی اضافہ کیا گیا جو اگرچہ مسلم نے جمع کر لئے تھے لیکن مصلحت کی بناء پر اُن اشعار کو شامل دیوان نہیں کیا تھا۔ یہ اشعار مطبوعہ نسخوں میں اس توضیحی عبارت کے ساتھ درج ہیں۔

"اشعار متفرقہ از قسم تواریخ و لغزیات و ہجویات وغیرہ کہ مسلم مغفور شاگرد مصنّفِ مبرور بعد جمعیت اشعار در آخر دیوان از تصنیف لطیفش درج ساختہ درینجا بہماں ترتیب جامع بے تقدیم و تاخیر برای تفریح صغیر و کبیر بپایۂ تحریر میرسد، تا کدام شعر از اشعار مشہورۂ مصنّف باقی نماند" [2]

یہ اضافہ شدہ اشعار مسلم کے مرنے کے بعد شاملِ دیوان کئے گئے۔ مسلم نے جمع کرنے کے باوجود، دیوان میں غالباً اس لئے شامل نہیں کئے کہ وہ ہجو وغیرہ کو غنی کے شایانِ شان نہیں سمجھتا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم نے غنی کے اشعار کا انتخاب ایک خاص نقطۂ نظر سے کیا تھا اور کافی اشعار نظر انداز بھی کر دئے تھے۔ ورنہ غنی کی بدیہہ گوئی اور اُن کی شاعری کی طویل مدّت کو دیکھتے ہوئے یہ باقی ماندہ چند اشعار 'مشتے نمونہ از خروارے' سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اس کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ غنی کے کچھ اشعار کشمیر کی بعض قدیم بیاضوں میں ایسے بھی ملے ہیں جو صنّاعی اور تمثیل سے مبرّا ہیں۔ ظاہر ہے کہ غنی ایسی شاعری پر قادر تھے لیکن انتخاب کرنے والے نے

ایسے اشعار پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

جہاں تک حواشی کا تعلق ہے وہ صرف مطبوعہ نسخہ جاتِ دیوانِ غنی میں ملتے ہیں۔ اب تک میری نظر سے صرف ایک قلمی نسخہ ایسا گزرا ہے جس میں ابتدائی ۹ غزلیں محشّٰی ہیں۔ یہ نسخہ (ح) مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ ہے۔ اس کی تحریر ۶۔ ربیع الثانی ۱۲۷۳ھ کو ختم ہوئی یعنی یہ نسخہ مطبع مصطفائی کے نسخے کی طباعت کے بعد لکھا گیا ہے۔ حاشیہ بھی اس میں وہی ہے جو مصطفائی والے نسخے میں ہے۔ بظاہر کسی نے حواشی کی نقل شروع کی تھی۔ بعد میں ارادہ ترک کر دیا۔

موجودہ دیوان کی ترتیب کے وقت جب اکیس نسخے پیشِ نظر رکھ کر چھان بین کی گئی تو متفرق اشعار کے علاوہ، کئی رباعیاں، ایک پوری مثنوی، نثر کا ایک وقیع ٹکڑا اور ایک پوری غزل ملی۔ ان سب کو مناسب موقع سے درج کر لیا گیا ہے۔ کچھ کلام مختلف بیاضوں میں ملا ہے۔ "گلستانِ مسرّت" میں بھی ایسے کئی شعر ملے جو کسی نسخہ میں موجود نہیں ہیں۔ نئے اشعار کا ہر جگہ باقاعدہ حوالہ دیدیا گیا ہے۔

غنی کی نثر کا جو ٹکڑا پہلے پہل صرف ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کے نسخہ (چ) میں ملا تھا وہ بعد میں ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ (ب) اور مصطفائی کے مطبوعہ نسخہ میں بھی درج پایا گیا۔ اس نثری تحریر سے یہ پتہ چلا کہ کسی نے غنی کا ایک شعر چپکے سے تاریخ بدایونی" میں دوسری عبارت کے ساتھ ملا کر لکھ دیا اور اس طرح غنی پر سرقہ کا الزام لگایا۔ وہ شعر یہ تھا :

نے جای درون رفتن و نے پای برون نہ — درماندہ این دائرہ ام ہمچو جلاجل

سرقۂ شعری کے اس الزام سے غنی اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ انھوں نے جب تک "تاریخ بدایونی" کے دوسرے نسخوں سے مقابلہ کر کے اس جھوٹ کا پول نہ کھول لیا، اُس وقت تک شعر گوئی ہی ترک کر دی۔ جب راز الزام تراشی کھُل گیا تب انھوں نے پھر شعر کہنا شروع کیا۔

اسی طرح، قاضی عبدالودود صاحب کے مملوکہ نسخہ (پ ع) میں جاڑے سے متعلق ایک پوری مثنوی پائی گئی۔ یہ کسی اور مطبوعہ یا قلمی نسخہ میں پوری کی پوری موجود نہیں ہے۔ اس مثنوی کا ایک شعر ؎

درین موسم از بسکہ یخ بستہ آب   شد آئینہ خانہ سرای حباب

مطبوعہ نسخوں میں بھی موجود تھا۔ اسکے علاوہ تقریباً پندرہ اشعار نسخۂ آگرہ میں بھی درج ملے۔ ایک شعر نسخہ آگرہ (۱۱) میں ایسا بھی ملا جو نسخہ (پ ع) میں بھی نہیں تھا اور وہ شعر یہ ہے ؎

بناسد چو دیوانہ کس پیش ہیں   کہ اخگر صفت گشت گلخن نشین

اسی طرح خورشید کی وفات سے متعلق ایک رباعی، جس سے خورشید کی شخصیت کے تعین میں کسی قدر مدد بھی ملی، صرف اکیڈمی کے نسخہ (ا) میں لکھی ملی اور وہ رباعی حسب ذیل ہے:-

از مردنِ خورشید جگرہا خون شد   دردِ دلِ باختہ دلان افزون شد

آسان بنود فراقِ اسبابِ کمال   خُم خاک نشین در غمِ افلاطون شد

اسی ضمن میں ایک اور رباعی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ (ب ا) میں ملی ؎

از مردنِ نو حاصل عمرم تباہ شد   چیزے کہ صرف گریہ نشد خرج آہ شد

می آمدم کہ تنگ در آغوش گیرمت   سنگ سر مزارِ توام سنگِ راہ شد

غرض نئے مواد کی تلاش و جستجو بے کار نہیں گئی اور بہت سا مفید مواد ایسا مل گیا جو مروّجہ دواوین میں نہیں تھا۔ اختلافات و تضادات حتی الوسع کافی تفصیل کے ساتھ حواشی میں درج کیے گئے ہیں اور یہ اضافے یقیناً خوشگوار اضافوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جہاں ایک طرف یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ بے شمار اشعار درج ہونے سے رہ گئے ہیں وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض نسخوں میں بہت سے الحاقی اشعار داخل ہو گئے ہیں۔ ایسے اشعار خدا بخش لائبریری بانکی پور پٹنہ کے نسخہ (پ س) میں بہت ہیں۔ کئی رباعیاں

اور پوری غزلیں بھی ایسی ہیں جو غنی سے منسوب ہیں۔ لیکن کلیم کی ہیں۔ اس دیوان کے صفحۂ اول پر نواب مجد الدولہ، کا نام لکھا ہوا ہے اور کسی سعد اللہ کی معرفت خرید کیا گیا تھا یہ ۱۱۵۴ھ کا مخطوطہ ہے۔ اس میں ملکہ ممتاز محل سے متعلق تاریخی رباعی بھی شامل ہے ۔

از حق چو شد آشیزہ ممتاز محل | زود از ہمگی پسیرہ ممتاز محل
با خویش ہمیشہ ما در جنگ زدیم | فردوس محل گزیدہ ممتاز محل

یہ رباعی قطعی طور پر کلیم کی ہے۔ اسی طرح دوسری رباعیاں بھی اکثر کلیم کے دیوان میں پائی گئیں۔ یہی حال اکثر غزلیات کا ہے۔ بالخصوص یہ غزلیں جن کے مطلعے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

مگو حیاءمان کہ نہتان از رخ جانان نظر بستن | بسے مشکل بود بر روی صاحبخانہ در بستن
شب عید ست و می باید در میخانہ وا کردن | بہ خشکی زہد روزہ داران را دوا کردن
اے صبا این دل صد چاک بجانان برسان | شانہ تحفہ بآن زلف پریشان برسان
اگر مرد رہی نعلین خار سعی در پا کن | قدم از سر کن و سودای منزل را سرا کن
کس نمیگیرد دگر در رہن صہبا پیرہن | از تو چاک ای دست بیتابی بواز ما پیرہن
ہیچ کارے بر نمی آید ز دست تنگ من | ور نہ جنگی نیست دامان مرا با چنگ من

یہ پوری کی پوری غزلیں " دیوان کلیم" میں موجود ہیں اور اسلوب کے اعتبار سے بھی طرز غنی سے مختلف ہیں۔ لیکن "دیوان غنی" نسخہ (پ س) میں غنی سے بھی منسوب ہے۔ اس طرح کی حرکتیں بعض مرتب اور کاتب نفر بجا کر دیا کرتے تھے۔ یہاں اس کی تشریح اس لئے ضروری ہوئی کہ آیندہ تحقیق کرنے والے اس خار زار میں نہ الجھیں۔

اسی طرح بمبئی یونیورسٹی لائبریری کے کیٹلاگ[1] میں شمارہ ۲۱۷ کے مقابل ایک

1. Bombay university Catalogue Page 208.

بیاض درج ہے جو مختلف مثنویوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک "جنگ نامہ" بھی شامل ہے۔ کیٹلاگ میں یہ "جنگ نامہ" غنی سے منسوب ہے۔ جس شعر سے یہ شبہہ پیدا ہوا وہ حیرت انگیز ہے

غنی چون ز وصف آن جہاں پروریست　　بمقصود باز آمدن بہتر است

ظاہر ہے کہ یہاں غنی تخلص کے طور پر نہیں بلکہ باعتبار معنی نظم ہوا ہے۔ اس شعر سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ نکالا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ "جنگ نامہ" ہمارے یا کسی اور غنی کا ہو سکتا ہے۔ پھر اس "جنگ نامہ" میں ذرا آگے چل کر شاعر کا نام بھی باقاعدہ طور پر آ گیا ہے۔ "باز آمدن بر سر مدعا" کی سرخی کے ماتحت شاعر نے ابتدائے کلام یوں کی ہے۔

بیا یوسف از ہزل در کش عنان　　حکایت کن از تیغ و تیر و سنان

امید ہے کہ یہ تشریحیں آئندہ کام کرنے والوں کے کام آئیں گی۔

کلام غنی کی اہمیت غنی ہمارے لئے صرف اس وجہ سے اہم نہیں ہیں کہ وہ کشمیر جسے "ایرانِ صغیر" بھی کہا جاتا ہے، کے سب سے اہم شاعر ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ متاخرین شعرائے فارسی میں ایک خاص مقام کے حامل ہیں۔ سراج الدین علی خان آرزو نے "تذکرۃ الشعراء" مسمّٰی بہ "مجمع النفائس" میں ایک ناقابلِ تردید حقیقت بیان کی ہے کہ:-

"مثل او از کشمیر چہ از ملک دیگر نیز در متاخرین کم برخاستہ۔ در بستن مضامین تازہ و بند و بست معانی نو و صفای عبارات از ہمعصراں بلکہ از اکثر گذشتگان پیش قدم است۔"[1]

بعض لوگ ملکی عصبیت کی بنا پر متاخرین کے طرز کو "سبک ہندی" کا نام دے کر مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس دور کے یہ تمام رجحانات ہندی فارسی میں ایرانی فارسی ہی کی وساطت سے آئے۔ اس کی اولیت کا سہرا بابا فغانی کے سر رکھا جائے یا شوکت بخاری اور صائب کے سر، عرفی کو اس کا پیشرو ٹھہرایا

---

[1] مجمع النفائس +

جائے یا جامی کو، ہر اسلوب کے ابتدائی نقوش ایرانی شعراء کے یہاں ملیں گے۔ میں نے "ذکرو فکر غنی" میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس بیان کو مثالوں سے ثابت کیا ہے، بلکہ ایرانی مورخین ادب اور صاحبانِ نظر کے اعترافات بھی اُن کی کتابوں سے نکالے ہیں۔ یہ ضرور رہے کہ ہندوستان میں عہد مغلیہ کے اواخر میں متاخرین کی طرز افراط و تفریط کا شکار ہوئی لیکن یہ افراط ایرانیوں کے یہاں بھی ناپید نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران میں صفویوں کا دور اور ہندوستان میں مغل بادشاہوں کا عہد فارسی زبان کی توسیع و اشاعت کا دور ہے۔ یہ نثر کے فروغ کا زمانہ ہے۔ شعر و ادب بندھے ٹکے موضوعات میں مقیّد نہ رہ کر آزاد تر فضاؤں کی طرف پرواز کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہاں انحطاط و زوال کا دھواں گھٹا ہوا ہے۔ اس لئے ہمارے ادیب و شاعر نئی راہ نکالنے کی بجائے پرانی راہوں میں ہی ٹھہر جاتے ہیں، لچکتی شاخوں پر جھولے جھولتے ہیں، گرتی ہوئی دیواروں پر نقش و نگار بناتے ہیں اور معصومانہ ہنسی ہنستے ہیں۔ کچھ لوگ بھٹک کر غلط راہوں پر جا پڑتے ہیں اور ہوس پرستی کی جھاڑیوں میں الجھ جاتے ہیں اور کچھ صومعہ و خانقاہ و مدرسہ کی فضاؤں میں سکون ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔ لیکن اس عمومی فضائے انحطاط کے باوجود ہمیں اس دور میں ادبی جمود کا نہیں حرکت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس ترک و تاز میں زبان نئی وسعتوں اور نئے مسئلوں سے روشناس ہوتی ہے اور یقینی طور پر آگے بڑھتی ہے۔

اس طرز جدید کو جسے بعض اہلِ ایران نے 'طرز ہندی' کہہ کر اُس کے مرتبہ سے گرانا اور اس کی کوتاہیوں کا سارا بوجھ اپنے سر سے اُتار پھینکنا چاہا، انھیں کی دین تھی اور وہاں بھی یہ قدامت کی آغوشِ شب سے صبح ابر آلود کی طرح جبراً پھوٹی تھی۔ غزل کے ارتقاء میں کئی منزلیں آئی ہیں اور سعدی سے غنی تک ایک سلسلہ تبدیلیوں کا چلا آرہا ہے۔ یہ سلسلہ اپنی سست رفتاری کی وجہ سے بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتا لیکن اب سے بہت پہلے بھی اہل نظر نے اسے بھانپ لیا تھا۔

بیاض درج ہے جو مختلف مثنویوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک "جنگ نامہ" بھی شامل ہے۔ کیٹلاگ میں یہ "جنگ نامہ" غنی سے منسوب ہے۔ جس شعر سے یہ شبہہ پیدا ہوا وہ حیرت انگیز ہے[۵]

غنی چون ز وصف آن جہاں پروری   بمقصود باز آمدن بہتر است

ظاہر ہے کہ یہاں غنی تخلص کے طور پر نہیں بلکہ باعتبار معنی نظم ہوا ہے۔ اس شعر سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ نکالا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ "جنگ نامہ" ہمارے یا کسی اور غنی کا ہو سکتا ہے۔ پھر اس "جنگ نامہ" میں ذرا آگے چل کر شاعر کا نام بھی باقاعدہ طور پر آ گیا ہے۔ "باز آمدن بر سر مدعا" کی سرخی کے ماتحت شاعر نے ابتدائے کلام یوں کی ہے۔[۵]

بیا یوسف از ہزل درکش عنان   حکایت کن از تیغ و تیر و سنان

امید ہے کہ یہ تشریحیں آئندہ کام کرنے والوں کے کام آئیں گی۔

کلام غنی کی اہمیت غنی ہمارے لئے صرف اس وجہ سے اہم نہیں ہیں کہ وہ کشمیر (جسے "ایرانِ صغیر" بھی کہا جاتا ہے) کے سب سے اہم شاعر ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ متاخرین شعرائے فارسی میں ایک خاص مقام کے حامل ہیں۔ سراج الدین علی خان آرزو نے "تذکرۃ الشعراء" مسمّٰی بہ "مجمع النفائس" میں ایک ناقابل تردید حقیقت بیان کی ہے کہ:۔

"مثل او از کشمیر چہ از ملک دیگر نیز در متاخرین کم برخاستہ۔ در بستن مضامین تازہ و بند و بست معانی نو و صفای عبارات از ہمعصران بلکہ از اکثر گذشتگان پیش قدم است"۔[۶]

بعض لوگ ملکی عصبیت کی بناء پر متاخرین کے طرز کو "سبک ہندی" کا نام دے کر مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس دور کے یہ تمام رجحانات ہندی فارسی میں ایرانی فارسی ہی کی وساطت سے آئے۔ اس کی اولیت کا سہرا بابا فغانی کے سر رکھا جائے یا شوکت بخاری اور صائب کے سر۔ عرفی کو اس کا پیشرو ٹھہرایا۔

---

[۶] مجمع النفائس +

جائے یا جامی کو، ہر اسلوب کے ابتدائی نقوش ایرانی شعراء کے یہاں ملیں گے۔ میں نے "ذکر و فکر غنی" میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس بیان کو مثالوں سے ثابت کیا ہے، بلکہ ایرانی مورخین ادب اور صاحبانِ نظر کے اعترافات بھی اُن کی کتابوں سے نکال لئے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ہندوستان میں عہد مغلیہ کے اواخر میں متاخرین کی طرز افراط و تفریط کا شکار ہوئی لیکن یہ افراط ایرانیوں کے یہاں بھی ناپید نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران میں صفویوں کا دور اور ہندوستان میں مغل بادشاہوں کا عہد فارسی زبان کی توسیع و اشاعت کا دور ہے۔ یہ نثر کے فروغ کا زمانہ ہے۔ شعر و ادب بندھے ٹکے موضوعات میں مقیّد نہ رہ کر آزاد تر فضاؤں کی طرف پرواز کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہاں انحطاط و زوال کا دھواں گھٹا ہوا ہے۔ اس لئے ہمارے ادیب و شاعر نئی راہ نکالنے کی بجائے پرانی راہوں میں ہی ٹھہر جاتے ہیں، لچکتی شاخوں پر جھولے جھولتے ہیں، گرتی ہوئی دیواروں پر نقش و نگار بناتے ہیں اور معصومانہ ہنسی ہنستے ہیں۔ کچھ لوگ بھٹک کر غلط راہوں پر جا پڑتے ہیں اور ہوس پرستی کی جھاڑیوں میں الجھ جاتے ہیں اور کچھ صومعہ و خانقاہ و مدرسہ کی فضاؤں میں سکون ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔ لیکن اس عمومی فضائے انحطاط کے باوجود ہمیں اس دور میں ادبی جمود کا نہیں حرکت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس ترک و تاز میں زبان نئی وسعتوں اور نئے مسئلوں سے روشناس ہوتی ہے اور یقینی طور پر آگے بڑھتی ہے۔

اس طرز جدید کو جسے بعض اہلِ ایران نے 'طرز ہندی' کہہ کر اُس کے مرتبہ سے گرانا اور اس کی کوتاہیوں کا سارا بوجھ اپنے سر سے اُتار پھینکنا چاہا، انھیں کی دین تھی اور وہاں بھی یہ قدامت کی آغوشِ شب سے صبح ابر آلود کی طرح جبراً پھوٹی تھی۔ غزل کے ارتقاء میں کئی منزلیں آئی ہیں اور سعدی سے غنی تک ایک سلسلہ تبدیلیوں کا چلا آرہا ہے۔ یہ سلسلہ اپنی سست رفتاری کی وجہ سے بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتا لیکن اب سے بہت پہلے بھی اہل نظر نے اسے بھانپ لیا تھا۔

محمدؐ قدرت اللہ گوپاموی نے لکھا ہے کہ:۔

"شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رح پیشوای متغزلان ست کہ ہیچ سخنوری پیش ازوی طریقِ غزل رابدین اسلوبِ لطیف نہ پیمودہ وحضرت امیر خسرو دہلوی قدس سرہ در جمیع اقسام نظم بہ شیرین کلامی گوی سبقت از میدانِ بلاغت ربودہ۔ بعد ازان در زمان سلطان حسین میرزا 'والی خراسان' مولانا عبدالرحمان جامی و بابا فغانی، و اہلی شیرازی و آصفی و ہاتفی وغیرہم از روشِ متقدمین اندکی تجاوز کردہ بطرزِ خاص سخن پیراگشتند۔ پس ازان جمعی از سخن سنجان مثل محتشم کاشی و وحشی یزدی ولسانی وضمیری صفاہانی آن طرزِ خاص را رونقِ تر ساختہ حُسنِ دیگر بخشیدند۔ امّا ہمعصرانِ آنہا چون حسین ثنائی و ملک قمیؔ وعرفی شیرازی ونظیری نیشاپوری وشیخ علی نقی کمرہ وشیخ ابوالفضل، فیضی، وحکیم شفائی، ورکنای مسیحی یکبارہ مُنکرِ روش پیشینیان شدہ طرزی جدید بر روی کار آوردہ سحر سامری وانمودند۔ ومیرزا جلال اسیر بانی بنیاد خیال بندی گردید وشوکت بخاری آن را نازک تر ساخت وشیخ ناصر علی سہرندی وموسوی خان فطرت ومحمد افضل سرخوش خیال را بمرتبۂ اقصی رسانیدند کہ دست ہر نابالغ بدان نمی رسد وغنی کشمیری ومیرزا صائب اصفہانی در صنعت تمثیل بے مثل بر آمدند۔"[۱]

"نتائج الافکار" کی اس عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ عہد بعہد تبدیلی صرف محسوس کی جا رہی تھی اس کے سائنسی تجزیہ کی نوبت نہ آئی تھی۔ آخر میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ جلال اسیر شوکت، فطرت وغیرہ نے خیال کو افضلیت دی اور صائب وغنی تمثیل کے مردِ میدان قرار پائے۔ لیکن شبلی نعمانی نے اس طرزِ جدید کا بانی اول بابا فغانی کو قرار دیا اور رضا زادہ شفق

[۱] تذکرہ "نتائج الافکار"، از مولانا محمد قدرت اللہ گوپاموی۔ ص ۱۵-۱۴ +

نے اولیت کا شرف امیر خسرو کو عطا کیا۔ خسرو اور فغانی کے درمیان جو بُعد زمانی ہے وہ ظاہر ہے
درصل یہ ایک ارتقائی کیفیت ہے جو غزل جیسی صنفِ سخن کے لئے لازمی ولابدی تھی۔ لوگ سعدی
کی ڈگر پر کب تک چلتے رہتے۔ جب بھی ذرا حالات بدلتے تو شعرا اس شاہراہ سے ذرا ہٹ کر اپنے
لئے پگڈنڈیاں بنا لیتے۔ اس میں اولیت کے تعین کی کوشش بے سود ہے۔ پہلے خسرو و جامی
و فغانی کے یہاں، پھر محتشم کاشی و وحشی یزدی کے یہاں، پھر عرفی و فیضی کے یہاں اور آخر
میں صائب و غنی کے یہاں جو کچھ ہے اُسے راہِ ارتقا کا ایک سنگ میل اور تجدید و اجتہاد کا ثمر سمجھنا
چاہئیے۔ لیکن یہ اجتہاد غزل کے فطری ارتقاء کے محرکات کا مجموعہ تھا

تجدید کی اس طویل روایت کا یہ اثر بھی ہُوا کہ غزل کے بیرونی خدوخال اس حد تک
بدل گئے کہ امداد امام اثر جیسے ناقد صائب کے کلام کو غزل ماننے ہی سے انکار کرنے لگے
چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"فارسی میں مرزا صائب اور اردو میں شیخ ناسخ باوجود پُرگو ہونے کے کلام
کے اُس حسنِ مقبولیت سے محروم ہیں جو حافظ اور میر کو نصیب ہُوا ہے۔
صائب غزل گوئی کے طریقے کے خلاف کار بند ہیں ..... حقیقت یہ ہے
کہ صائب اور ناسخ نے ایک ایسی صنف شاعری ایجاد کی ہے جو غزل سرائی
اور قصیدہ گوئی کے درمیان کی ہے۔ کاش یہ دونوں شاعر گرامی اور کسی صنف
کو ترقی دیتے یا اور کسی صنف کے موجد ہوتے تو شاعری کو اُن کی سخن سنجی
سے زیادہ نفع پہنچتا، کس واسطے کہ اُن کا رنگ غزل سرائی کے تقاضے کے
مطابق نہیں ہے۔" [۱]

خورشید الاسلام ایک قدم اور آگے گئے ہیں اور انھوں نے اس تبدیلی کا سماجی تجزیہ کرنے
کی بھی کوشش کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ جب صائب نے تمثیلی شاعری کی باقاعدہ

[۱] "کاشف الحقائق" جلد دوم۔ ص ۷۱-۷۰ +

بنیاد ڈالی اُس دور میں:۔

"ایک صدیوں پرانے نظام میں تزلزل کے آثار پیدا ہو چکے تھے صائب نے ایک ایسی عظیم اور پائیدار عمارت کے کنگروں کو ہلتے دیکھا تو ۔۔۔۔ اُس نے اپنا یہ فرض جانا کہ وہ پرانے اخلاق اور پرانی حقیقتوں کو منوائے اور زندگی کے رواجی اور رسمی پہلوؤں کو جتائے اور نمایاں کرے اور اس طرح اُس کمزوری کو قوت سے بدل ڈالے جو عام انسانوں کے عقیدوں اور اعمال میں سماجی نظام کی فرسودگی اور زوال کی پہلی اور اس لئے بہت مؤثر لہر سے قدرتاً پیدا ہو چلی تھی۔" [۱]

اس توجیہ کے ذہنی پس منظر میں بھی یہی سوال ابھرتا نظر آتا ہے کہ صائب اور غنی کی غزل پیشروں سے نہ صرف ہیئت بلکہ مواد کے اعتبار سے بھی اتنی مختلف کیوں ہے۔؟ امداد امام اثر اور خورشید الاسلام کے بیانات ایک دوسرے سے بعید مختلف ہونے کے باوجود اس ایک نقطے پر آکر مل جاتے ہیں کہ صائب و غنی تک آتے آتے غزل میں بنیادی تبدیلی آ چکی تھی۔
امداد امام اثر نے پتے کی بات کہی ہے کہ ان شعراء کی غزل ایک ایسی صنف نظر آتی ہے جو غزل اور قصیدے کے درمیان کی ہے۔ بات یہ ہے کہ قدما نے غزل کو صرف چند مضامین کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور یہی حال قصیدے کا بھی تھا۔ لہجے کے اعتبار سے بھی جہاں غزل میں ایک نرمی، لوچ اور گداز تھا وہاں قصیدے میں علمیت کا طنطنہ، الفاظ کی شوکت اور معانی کی جھنکار تھی۔ صائب اور غنی کی غزل قصیدے سے علمیت، شوکتِ الفاظ اور معانی کی سج دھج لیتی ہے، صنائع و بدائع لیتی ہے، رباعی کے تتبع میں فلسفہ و اخلاق سے جِلا پائے ہوئے مضامین لیتی ہے لیکن غزل کی آزاد گفتاری اور سوز و گداز سے کنارہ کشی کر لیتی ہے۔ البتہ علمائے سو پر چوٹیں کرتے وقت غزل میں آزاد ہواؤں کے سنکنے کا اب بھی پتہ چلتا ہے اور کہیں کہیں مادی تجربات کی

---

[۱] "تنقیدیں"۔ ص ۲۱۲

گھلاوٹ بھی مِل جاتی ہے۔ سراپا نگاری رسمی مثنویوں کی طرح بے روح ہو جاتی ہے اور عشق باطنی کیفیت سے اس طرح عاری ہو جاتا ہے جیسے بالکل ہی ماورائی اور رسمی ہو!

مضامین کی فرسودگی، پیش پا افتادگی اور بڑی حد تک یک رنگی کو دیکھ کر واقعۃً سماجی نظام کے زوال ہی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ لیکن خورشید الاسلام سے غلطی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے صائب اور غنی کو انحطاط پذیر نظام کے ایسے نمایندوں کے روپ میں دیکھا ہے جو اس زوال کا باقاعدہ احساس رکھتے تھے اور تمثیل کی ٹھونی لگا کر اس گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنا چاہتے تھے۔ شاہجہان اور شاہ عباس صفوی کے دور کی ظاہری چمک دمک میں صائب اور غنی کیلئے زوال و انحطاط کا دھندلکا دیکھ لینا ناممکن تھا۔

میرے خیال میں اس تبدیلی کے تین ممکن وجوہ ہو سکتے ہیں (۱) ایک تو یہ کہ جہانگیر کے عہد کے خاتمے کے قریب پہنچتے پہنچتے مجدد الف ثانیؒ کے زیر قیادت مذہب میں جدّت پسندی، اتحاد ادیان کی مساعی میں افراط اور فلسفیانہ آزادہ روی کے خلاف ایک نئی حرکت پیدا ہوئی۔ جس نے شاہجہاں کے عہد میں قوت اختیار کرنا شروع کیا اور اورنگ زیب کے زمانے میں خاصے دُور رس اور ہمہ گیر نتائج پیدا کئے۔ علماء اور فقہاء کو ایک بار پھر عروج حاصل ہُوا۔ دربار میں عالمانہ اور فقیہانہ ماحول زیادہ پسندیدہ قرار پایا اور عیش پرستی کے خلاف ایک لہر سی دوڑ گئی۔ چنانچہ شاہجہاں کے عہد میں شیدا نامی شاعر کو اس جرم میں شہر بدر کر دیا گیا تھا کہ اُس نے شراب کو "حسُن کا پروردگار" اور "عشق کا پیغمبر" کہنے کی جرأت کی تھی۔ اُدھر ایران میں بھی احتساب مذہبی اور تفتیش عقائد کا سلسلہ شاہرخ میرزا کے دور میں علانیہ تکفیر تک پہنچ گیا تھا۔ ایک بار مولانا حسین نے ایک غزل کہی جس کا مطلع تھا ؎

اے در ہمہ عالم پنہاں تو و پیدا تو ہم دردِ دلِ عاشق ہم اصل مداوا تو

بعض علماء نے اس غزل کے چند اشعار کو مسائل فقہیہ کے خلاف قرار دے کر مولانا حسین کو کافر قرار

دبدیا۔ مولانا کو پوچھ گچھ کے لئے خوارزم سے ہرات لایا گیا۔ مولانا نے اپنی براءت میں بہت سے دلائل پیش کئے اور بھر بڑی مشکلوں سے اس بلا سے نجات پائی۔ ؎۱ یہ سخت گیری مذہبیات ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ علمی مسئلوں اور رایوں کے بارے میں بھی برتی جاتی تھی۔ ملک الشعراء بہار ناقل ہیں:۔

"ازیں راہست کہ ادبیات آں عصر خالی از صراحت ہا و شجاعت ہای ادبی ہست و روح حقیقی شعر کہ درخشیدنِ معنی و حقیقت از الفاظ باشد در ہیچیک از آثار آں عصر پیدا نمی شود۔ ؎۲

ایران میں اس تفتیش و قدغن کا سلسلہ صفویوں کے دور تک جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایران ہو یا ہندوستان کہیں بھی شعراء نہ تو کھل کر اپنے دور کے سیاسی اور اجتماعی حالات کی نشاندہی کر پاتے تھے اور نہ ہی معتقداتِ فلسفیانہ و روحانی کا سراغ دے پاتے تھے۔ جب لبِ اظہار پر سرکاری قدغن کی مہر لگی ہو تو لفظی اور معنوی صنائع بدائع پر توجہ کا مبذول ہونا ناگزیر تھا۔ اس رجحان کو سنسکرت اور برج بھاشا کی روایات سے بھی تقویت ملی جس کا اثر درباروں اور علماء کی محفلوں میں بھی محسوس کیا جانے لگا تھا!

دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ اس دور کے بہت سے شعرا خود بھی مذہبی تھے اور چند ایسے بھی تھے جو انتہائی زاہدانہ اور متورعانہ زندگیاں بسر کر رہے تھے۔ صائبؔ اور غنیؔ دونوں ہی کا اس طبقے سے تعلق ہے۔ ان لوگوں نے اپنے چاروں طرف ایک اخلاقی پستی اور مذہب سے بے تعلقی پھیلی ہوئی پائی تو وہ اخلاقیات کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اخلاقیات کے خشک مضمون میں تازگی پیدا کرنے کیلئے تمثیل کا سہارا یقیناً خوش آیند تھا۔ اس دور میں شعراء کو سنسکرت، برج بھاشا اور دوسری ہندوستانی زبانوں سے زیادہ قریبی تعلق پیدا ہوا اور دوہوں وغیرہ کی روایات سے بھی تمثیل کے رجحان کو مدد ملی۔ یہ ایک سیدھا سادہ عمل تھا۔ اس کے لئے کسی ایسے

؎۱ "تاریخ حبیب السیر" جلد اول مخطوطۂ ایران۔ ؎۲ "سبک شناسی" جلد سوم ص ۲۲۸ +

دوواز کار سبب کا تلاش کرنا ضروری نہیں ہے کہ یہ شعراء کسی عظیم سماجی نظام کی عمارت کو گرتا ہوا دیکھ کر اُسکو سنبھالنے کے لئے دوڑے تھے!

تیسرا اور اہم تر سبب اُس دور کی بڑھتی ہوئی علمیت بھی تھی۔ مدرسوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، چھوٹے چھوٹے قصبوں بلکہ بعض دیہاتوں میں بھی ثقافتی اور علمی حرکت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ عربی و فارسی کے متداول علوم کے علاوہ اکبر و جہانگیر و دارا کی سرپرستی میں جو سنسکرت کے عظیم تراجم ہوئے، اُن سے نئے علوم و اسالیب کی طرف بھی توجّہ ہوئی۔ نسبتہً شاہجہاں کے دور میں زیادہ سکون اور امن کے آثار نظر آئے اور وسیع تر اور بسیط تر راہ عمل کھلی اگر اُس دور کے جاگیرداری نظام میں تخلیق جدید کی صلاحیّت یا ہمّت ہوتی تو شاید کوئی بہتر صورت نکلتی۔ لیکن اُس وقت یہ نظام زوال کے پہلے کے وقفۂ سکون سے گزر رہا تھا، اس لئے توسیعی اور تقلیدی رجحانوں نے زور پکڑا۔ تفتیش و احتساب نے اجتہاد و آزاد گفتاری کے راستے بند کر رکھے تھے۔ اس لئے تفسیر، تشریح، تالیف، تاریخ نویسی، قصیدہ گوئی، مثنوی نگاری، نثّاری وغیرہ پر نگاہیں پڑنے لگیں اور پھر ترجموں کا کام سامنے آیا۔ اس ہنگامۂ تجدید و توسیع میں غزل نے بھی چولا بدلا۔ جامی سے لیکر فغانی و صائب تک، شاعروں اور ادیبوں کا ایک قافلہ اسلوب تراشی اور صنعت گری کی راہوں سے گزرتا رہا اور اجتماعی اور عرفانی واردات کے بیان کی بجائے شاہی تاریخوں، عشقیہ اور رزمیہ مثنویوں طویل قصیدوں اور اخلاقیات جیسے عمومی مسائل میں الجھا رہا۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا ہی تھا کہ غزل میں بھی جذبات و محاکات کی ترجمانی سے زیادہ لفظوں کے بناؤ سنگار اور تمثیل وغیرہ جیسی صنّاعیوں پر زیادہ دھیان دیا جائے۔

یہ سچ ہے کہ صنّاعی اور بدعت میں، تمثیل اور ایہام میں تازہ گوئی اور معنی آفرینی میں، روحانی لذّت اور جسمانی التذاذ کم ہے۔ لیکن ان میں ایک ذہنی اور علمی کشش ضرور ہے۔ اس دور کی شاعری میں عام افادیت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شاعری چند مخصوص

حلقوں کے لئے ہے۔ درباروں کے لئے، مسجدوں، خانقاہوں، مکتبوں اور مدرسوں کے لئے علما و ادبا کی نجی صحبتوں کے لئے اور کتب خانوں کے لئے۔ اس میں عشق بھی ہے، تصوف بھی ہے، فلسفہ و اخلاق بھی ہے۔ اس میں جنگ نامے، مرثیئے، شہادت نامے بھی ہیں اور موعظت، مناظرہ، فقہ و تفسیر و حدیث بھی ہے۔ مثنوی و واسوخت بھی ہے۔ قصیدہ مدحیہ و نعتیہ بھی ہیں۔ اور رباعیاں اور قطعات بھی ہیں۔ لیکن وہ عشق و تصوّف جس میں سوز دروں اور کیفیات باطنی یوں نسبتہً کم ہیں۔ پھر بھی ایسے تصوّف کا فقدان نہیں ہے جو اتحاد ادیان پر زور دیتا ہے، جو باہمی تفرقوں کو بے سود سمجھتا ہے، جو مذہب ظاہری کا مخالف ہے، جو عمل خیر کو جبہ و عمامہ و زنار میں محدود نہیں جانتا اور جو علمائے سو، کی ریشہ دوانیوں کے خلاف ہے۔ یہ سمجھ لینا بھی غلط ہوگا کہ اس دور کے ادب میں نفسیاتی یا نظریاتی یکرنگی تھی۔ اس دور میں ہمیں کئی طرح کے متوازی رجحانات نظر آئیں گے، یعنی جا بجا سوز و گداز بھی ملے گا اور شرارِ حیات و فسوں کاری جذبات بھی۔ خمریات کا سرور بھی اور "گناہوں" کا ظہور بھی۔ البتہ صنّاعی اور جدّت پسندی کی جانب جھکاؤ زیادہ ہے۔

اسی طرح، اگرچہ اس دور میں روایت پرستی کا رجحان عام ہے، لیکن کسی گوشے میں ایسی عقلیت بھی ابھرتی نظر آتی ہے جو ایک طرف تو روایت کی قطعیت سے بیزار ہے اور دوسری طرف جدّت کی آزمائشوں سے بھی کسی قدر خائف۔ نئی بات، نیا مضمون، نیا طرز بیان، نئی تمثیل پرانے مضمون کے باندھنے کا نیا ڈھنگ، نیا خیال یا پرانے خیال کا نیا شاخسانہ۔ یہ اس دور کی شاعری کے نئے محور تھے جن پر ستارے بھی گردش کرتے تھے اور چاند سورج بھی۔ لیکن یہ جدّت پسندی بہت جزوی اور ضمنی تھی، اصل سے کٹ جانے اور ماضی سے کلیتہً رشتہ توڑ لینے کی انقلابی صلاحیت اس میں نہیں تھی۔ بڑا چھوٹا کوئی بھی شاعر و ادیب اس سے بچا نہیں تھا، بعض اوقات تو جی چاہتا ہے کہ کاش کوئی بچ گیا ہوتا! ایسا ماحول کلیم، سلیم، قدسی، صائب، غنی، احسن، آشنا جیسے شعرا ہی پیدا کر سکتا تھا۔ اس عام پس منظر کو سمجھے بغیر غنی کا سمجھنا مشکل ہوگا۔

اُس دور کا عام نظریہ | غنی کا نظریہ فن، اُس دور کا عام نظریہ فن تھا۔ خیال آفرینی اور معنی آفرینی، تمثیل، ایہام اور دوسری صنعتیں اس زمانے میں شاعری کا طرۂ امتیاز تھیں۔ غنی نے ان سب کو برتا۔ وہ اگرچہ صائب کے شاگرد نہیں تھے لیکن ان پر صائب کی بہت گہری چھاپ ہے اور یہ اثر اُن کے اپنے استاد فانی کے اثر سے زیادہ نمایاں ہے۔ یہاں اُن کی شاعری پر تفصیلی بحث مقصود نہیں ہے۔ لیکن ذیل میں تذکرہ نویسوں اور ناقدوں کے چند خیالات کے اقتباسات درج کئے جارہے ہیں جس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ غنی نے نہ صرف اپنے دور کے بلکہ بعد میں آنے والے صاحبانِ نظر کو بھی کسقدر متاثر کیا تھا۔

سرخوش نے لکھا ہے کہ:۔

"صاحب طبع عالی بودہ، پایۂ سخنوری را بدرجۂ کمال رسانده، از خطۂ کشمیر بلکہ تمام اقلیم هند همچو او سخنوری خوش خیال، نازک بند، معنی یاب برنخاسته اکثر اشعارش بطرز ایہام هست۔" ۱؎

میرزا محمد طاہر نصر آبادی اصفہانی نے غنی کی لطافتِ شعری کا اقرار ان لفظوں میں کیا ہے:۔

"خفا که درست سلیقه و غریب خیال بود، اشعارش همگی لطیف هست۔" ۲؎

والۂ داغستانی جیسے مفاخرت پسند ناقد نے بھی جہاں دوسرے ہندوستانی شعراء کو نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہے وہاں غنی کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"غرضکه درستی زبان و روانی الفاظ و لطافت معانی او مقبول همه بود و الحق از کشمیر مثل او کسے برنخاسته۔" ۳؎

صاحب "نشترِ عشق" نے غنی کی شاعری کو ان لفظوں میں سراہا ہے:۔

"غنی ..... اگرچه از تنعم دنیوی بے نصیب بود اما از خزاین معنوی از بس غنی مثل او شاعرے معنی یاب و محاورہ دان از خطۂ کشمیر برنخاسته

۱؎ "کلمات الشعراء" ص ۸۳۔ ۲؎ تذکرۂ نصر آبادی ص ۴۴۵۔ ۳؎ "ریاض الشعراء"۔۔۱۰

وبایں خوبی و فصاحت تکلم نساختہ۔ کلام او فی الحقیقت بہار کشمیر است...
.....از رنگینی فکر رنگینش چہرۂ گلرویان در غازۂ خوبی واز سواد مشکبارش
طرہ مرغولہ مویاں در مشکبوئی۔" ؎۱

مولوی احمد علی سانڈیلوی نے اپنا ذاتی تاثر یوں پیش کیا ہے
"اشعار نہایت نازک و ہموار و دلچسپ واقع شدہ۔" ؎۲

مؤلفِ تذکرۂ "فانوسِ خیال" نے مندرجہ ذیل عبارت میں خراج تحسین ادا کیا ہے:۔
"وی "غنی"، دشیخ ناصر علی از مردم ہندوستان از جملۂ آنہا اند کہ بشعرو
شاعری ایشان فخر توان کرد و مضمون و معنی بستن را از بیان بابد آموخت۔" ؎۳

حسین دوست سنبھلی کا خیال ہے کہ:۔
"شاعر ماہر یک فنی، محمد طاہر غنی، آب و رنگ گلستان سخند ابنست۔" ؎۴

شیر علیخان لودھی نے "مرأۃ الخیال" میں نہ صرف غنی کی شاعری پر رائے دی ہے بلکہ اُن کی عالمگیر مقبولیت کا ذکر بھی کیا ہے:۔
"اشعارش مانند گلہای کشمیر ہموارہ باطراوت معنی و طرز کلامش چون کلام
خوباں پیوستہ باحلاوت، واردات او را معنی خاص بسیار است، و مضامین
تازہ بے قیاس..... آنچہ از طبع وقادش سرزدہ بود امروز در ایران و
توران و سوادِ ہندوستان بر افواہ والسنہ جاری است۔" ؎۵

اسکی تصدیق مولوی محمد قدرت اللہ گویاموی ہندی کے بیان سے بھی ہوتی ہے:۔
"..... در مراتب نظم بفکر رنگیں شانے عظیم پیدا کرد واز معدن طبع متین
جواہر نازک خیالی بکف آورد وکلامش در تمثیل گوئی بے نظیر است و اشعار آبدارش
یکسر دلپذیر..... دیوان فصاحت ترجمانش در اکناف عالم متداول است۔" ؎۶

؎۱ "نشتر عشق"، ورق ۱۲۹۹۔ از حسین قلیخان عظیم آبادی ؎۲ "مخزن الغرائب"۔ ؎۳ "فانوس خیال"۔ ص ۶۳ (نسخہ قلمی مملوکۂ آزاد لائبریری۔ علیگڑھ)۔ ؎۴ تذکرۂ حسینی "مطبوعہ مطبع نولکشور) ص ۲۲۸۔ ؎۵ تذکرہ "مرأۃ الخیال" مطبوعہ بمبئی

بختاور خان نے شاعری میں غنی کی طرزِ خاص کا تذکرہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غنی کی امتیازی شان لوگ مدتوں پہلے ہی محسوس کرنے لگے تھے۔ "غنی کشمیری ..... در این فن طرزِ خاص اختیار کردہ۔" [1]

اِن سے بڑھ کر مشہور شاہجہانی مورخ محمد صالح کنبوہ، جو ہمعصرِ غنی بھی تھے اُن کی شہادت ہے۔ اگرچہ انھوں نے شعراء کی فہرست میں غنی کا نام الگ سے نہیں گنوایا ہے لیکن شیخ محسن فانی کے ذکر میں حسبِ ذیل رائے ظاہر کی ہے:۔

"و چون غنی نام از شاگردانِ مولانای مذکور خالی از نشاءِ فیض نبود و گفتارش کیفیت خاص داشت چند بیت از زادہ ہای طبیع او نیز درین صفحہ پذیرای نگارش میگردد۔" [2]

لیکن تذکروں اور تاریخوں میں صرف تعریفی عبارتیں ہی نہیں پائی جاتیں۔ ایسی تنقید کی آواز جو تنقیص کا بھی رنگ لئے ہوئے ہے، پہلے پہل "آتشکدۂ آذر" میں سنائی دیتی ہے:۔

"غنی صاحب دیوان ست امّا از تمام کلیات او این یک شعر ملاحظہ و نوشتہ شد، بد نگفتہ

قاصد چہ احتیاج کہ طومار روزگار چون باز شد رسد بدرازی کوی او۔" [3]

محمد حسین آزاد کے دور تک آتے آتے متاخرین کی وہ طرز جسے طاہر نصرآبادی اصفہانی 'لطیف' کہتا تھا اور صاحب "فانوسِ خیال" قابلِ فخر و لایقِ تاسّی گردانتا تھا، اپنی دلکشی کھونے لگی تھی، شاعری کے چہرے سے جدّت کا غازہ چھوٹنے لگا تھا اور رعنائیوں اور رچائیوں میں فطری حُسن بھی دبنے لگا تھا۔ چنانچہ آزاد نے پہلی بار دبے لفظوں میں وار کیا:۔

"طبیعت اُس کی بھی مشکل پسند تھی۔ کشمیر میں ایسا شاعرِ نازک خیال نہیں پیدا ہوا ..... نازک خیالی اور ایہام بندی جو شعرائے ہند کا شیوہ ہے، وہی اُس کا بھی ہے۔" [4]

---

[1] تاریخ "مرأۃ العالم"، قلمی۔ [2] "عمل صالح" موسوم بہ "شاہجہان نامہ"، مصنفہ محمد صالح کنبوہ [3] "آتشکدۂ آذر" از لطف علی۔ ص ۱۸۳۔ [4] "نگارستانِ فارس"، ص ۱۸۳ +

اس کے بعد امداد امام اثر نے غنی اور صائب وغیرہ کو غزل گو ماننے سے انکار کیا اور علامہ شبلی نے تو غنی کی ساری محنت کو تقریباً رائیگاں قرار دیدیا :۔

"اس زمانے میں مضمون آفرینی، خیال بندی کے استیلاء نے زبان اور محاورہ بندی کی طرف سے شعراء کو غافل کر دیا تھا، چنانچہ ناصر علی، غنی، بیدل اسی چکر میں پڑ کر لطف زبان سے بیگانہ ہو گئے"۔ [1]

لیکن مولوی اکرام الحق سلیم نے علامہ شبلی کی اس رائے سے انحراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ "غنی کے دیوان میں متعدد ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں محاورہ بندی اور روزمرہ سے کام لیا گیا ہے"[2] غنی کو والہ داغستانی جیسے صاحب نظر ایرانی نے 'درستی زبان' کی اور طاہر نصرآبادی اصفہانی نے 'لطافت شعری' اور درست سلیقگی کی سند دی ہے اور صاحب "نشتر عشق" نے غنی کی محاورہ دانی پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

"آتشکدۂ آذر" کا یہ قول کہ غنیؔ کے کل دیوان میں صرف ایک شعر قابل ذکر ہے اور وہ بھی برا نہیں کہا ہے" نہ صرف یہ کہ سراسر بے انصافی پر مبنی ہے بلکہ بد مذاقی کا بھی ثبوت ہے۔ غنی کے یہاں شگفتہ اشعار ناپید نہیں ہیں۔ جو شاعر ایسے اشعار کہہ سکتا ہو، وہ سادہ و پر کیف اشعار کہنے سے عاجز نہیں کہا جا سکتا ؎

بہ بزمِ دردمندان زار نالیدن ہوس دارم | چو نے خواہم کہ در فریاد باشم تا نفس دارم
بگلزار محبت آشیان بستم تماشا کن | چمن پر آتش و من تکیہ بر یک مشت خس دارم

آگہ نشد طبیب ز دردِ نہانِ ما | این نبضِ ما خموش تر است از زبان ما

یار در چشم و نگہ سرگرم جستجوی دوست | پردہ ہای دیدہ ام گو یا نقاب روی دوست

دمیکہ بار گذارد قدم بخانۂ ما | سزد کہ کعبہ شود سنگ آستانۂ ما

---

[1] "شعر العجم" - جلد سوم - [2] "معارف" اعظم گڑھ - بابت ماہ نومبر ۱۹۲۷ء +

بعد مردن ہم نگردم سیر از صہبا کشی — مے بہ خم نوشم چو گردم خاک در میخانہ ہا

کند در پیش آن پای نگارین سجدہ ہا نقش — بلے کارے بہ از آتش پرستی نیست ہندو را

لیکن غنی نے جو نیا طرز اپنایا اُس کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ علم و فضل کی سربلندی کا دور تھا اور نمائش علم ہر صحبت کا طرۂ امتیاز بن چکی تھی۔ اُس وقت سیدھے سادے شعر کو "کلام لایعنی" سمجھا جانے لگا تھا۔ خود غنی کے اشعار میں بھی اُس دور کے مزعومات شعری کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے :-

مکدر می شود دل از سخنگویان بے معنی — بر این آئینہ رنگ طوطیان زنگار میگردد

تنہا معنی آفرینی بھی کافی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ شاعر کا ذی استعداد ہونا بھی ضروری قرار دے لیا گیا تھا ۔

خامہ ہر چند دود لیک بمعنی نرسد — سعی کارے نکند چون نبود استعداد

استعداد کا مفہوم یہ نہیں تھا کہ علوم میں شُد بُد حاصل ہو جائے اور بس ایسے شاعروں پر تو غنی نے چوٹ کی ہے ۔

لاف موزونی زند مانند سرو — ہر کہ خواند صفحۂ از بوستان

اور علم و استعداد کے ساتھ غور و خوض اور فکر و تجسس ضروری سمجھا جاتا تھا ۔

بے فہم اگر چشم بدوزد بکتاب — نتواند دید روی معنی در خواب

کے غور کنند در سخن بے مغزان — غواصی بحر نیست مقدور حباب

خود غنی کا یہ حال تھا کہ بڑے فکر و تامل سے شعر کہتے تھے ۔

از فکر تا سخن نشود قابل رقم — مانند خامہ سر ز گریبان نمی کشم

تامل و فکر سے غنی نے ایک خاص کیفیت پیدا کر لی تھی۔ اُن کے وہ اشعار بھی جو بظاہر سادہ نظر آتے ہیں اُن میں بھی کوئی نہ کوئی معنوی باریکی ضرور پنہاں ہوتی تھی ۔

از نہ چشمۂ آئینہ کسے آگہ نیست	مے نماید سخنم تازہ ولے بے نہ نیست

"فانوسِ خیال" کے مصنف نے ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے جس سے غنی کی پسند طبع اور رجحانِ فکر کا پتہ چلتا ہے۔ صوبہ دارِ کشمیر ظفر خان احسن کے بیٹے عنایت خان آشنا نے ایک بار یہ دعویٰ کیا کہ جو شعر ایک بار پڑھنے یا سننے سے سمجھ میں نہ آئے، وہ بے معنی ہے۔ یہ سُن کر غنی نے کہا کہ عنایت خان کی شعر فہمی پر جو اعتماد تھا وہ آج سے جاتا رہا۔ اتنا ہی نہیں ہُوا بلکہ اس واقعہ کے بعد غنی نے پھر آشنا سے کبھی ملاقات ہی نہ کی۔[1]

معنی یابی کے علاوہ، غنی کی توجہ الفاظ کے دروبست پر بھی رہتی تھی، اگرچہ اوّلیت کا شرف معنی ہی کو حاصل تھا ؎

خوب اگر بستہ شود گوہر سنت	آب بود معنیِ روشن، غنیؔ

ہست آئینۂ صافی کہ نہاں در زنگ است	معنیِ صاف کہ در قالبِ الفاظ بد است

غنی کی علمیت، وسعتِ مطالعہ، ذہانت، صائبؔ و سلیمؔ و کلیمؔ و قدسیؔ و فانیؔ جیسے صاحبانِ نظر کی صحبت اِن سب چیزوں نے مل ملا کر غنی کو اس حلقۂ خاص کا شاعر بنا دیا جس کی نظر تازہ مضامین پر ہر وقت مرکوز رہنے لگی۔ جب وہ کچھ لکھنے کو قلم اٹھاتے تو اُن کے صریرِ کلک سے نئے معنی پیدا ہوتے ؎

معنی تازہ غزالیست کہ بستن دارد	ہر دم از گوشۂ خاطر سرِ جستن دارد

غنی کی کوشش یہی نہیں ہوتی تھی کہ معنی اور مضمون تازہ ہوں بلکہ یہ بھی کہ وہ دوسروں کے مضامین سے لڑنے نہ پائیں اور اس کا اُن کے یہاں خاص اہتمام تھا ؎

طبع شاعر نتواند سخن کس بر داشت	بر ندارم ز اشعارِ کسے مضمون را

گر بہ مضمون کسے پہلو زند	از نزاکت او فتد مضمونِ من

ظاہر ہے کہ معنی یابی کی اس کوشش میں یا کوری تخئیل پر نظر رہ سکتی تھی، یا نئی

---

[1] "فانوسِ خیال" قلمی۔ (آزاد لائبریری۔ علیگڑھ) ص ۶۳ +

تشبیہوں، استعاروں، مبالغوں اور صنایع و بدایع لفظی و معنوی پر۔ پھر اس پر مستزاد تھیں غنی کی از خود عاید کردہ قد غنیں اور پابندیاں۔ کثرتِ شعر گوئی سونے پر سہاگہ تھی۔ ان سب کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی تھا کہ خیال بندی اور مضمون آفرینی میں بے اعتدالی کے عناصر پیدا ہو جائیں۔ یہ بے اعتدالی تشبیہ و استعارہ کے استعمال میں بھی نمایاں ہوتی ہے اور مبالغہ کی کثرت میں بھی اس لئے بعض شعر یا تو بے کیف ہو جاتے ہیں یا کبھی کبھی چیستان بن جاتے ہیں۔ بار یکی خیال بال کی کھال نکالنے کا وسیلہ قرار پاتی ہے اور شاعری مشاہدات و محسوسات کی گرمی اور کیف سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس کا احساس شاید غنی کو بھی تھا ؎

شعرت بہ ہیچ دل نزند ناخن اے غنی بنداز زبانِ خویش چو انگشت وا مکن!

غنی کی اصل شہرت تمثیل کی بدولت ہے۔ بقولِ قدرت اللہ گوپا مئی تمثیل گوئی میں غنی کا کلام بے نظیر ہے۔ کہتے ہیں کہ تمثیل یا مثالیہ شاعری کا آغاز فارسی میں امیر خسرو نے کیا اور مرزا صائب نے اسے عروج کمال پر پہنچایا۔ اس میں شک نہیں کہ خسرو اور صائب کو شرف پیشروی حاصل ہے۔ لیکن غنی بھی تمثیل کا بادشاہ ہے۔ تقدم و تاخر سے بادشاہ کی بادشاہت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ غنی نے مثالیہ شاعری کو اتنی ترقی دی کہ اسے ایک مستقل فن بنا دیا اور مدتوں غنی کی پیروی کو ہندوستان ہی میں نہیں دوسرے ملکوں میں بھی مستحسن سمجھا جاتا رہا۔ غنی کی تمثیل گوئی کو مثالاً پیش کیا جاتا تھا ؎

چنان تمثیل را دادہ رواجے کہ از فکر غنی گیرد خراجے

غنی کے طرزِ استدلال میں ہمیشہ ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے، ایسی تازگی جو اس دور میں علی العموم پسند طبایع تھی۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اپنے دردِ اعصانک کا ذکر کرتے وقت دعوٰی اور دلیل کا سہارا لینا، ایک طرح کی بے اعتدالی ضرور ہے۔ اور غنی کو خود بھی اس کا اعتراف تھا ؎

دل بسنگِ لالہ بستم ماندم از مقصود دور   نردبان کردم تصوّر راہِ ناہموار را

اس کا جواز ایک ہی ہے کہ انھوں نے دوسری بے راہ رویوں کو جنھیں وہ ادبی اور اخلاقی اعتبار سے ناجائز سمجھتے تھے۔ کلیتہً ترک کر دیا تھا اور عمداً ایک نیا جادہ اختیار کیا تھا۔ ایسی صورت میں کبھی کبھی جادۂ اعتدال سے بھٹک جانا بجائے خود اپنا ایک جواز ہے۔

غنیؔ نے دعویٰ اور دلیل کے لئے زیادہ ترپیش پا افتادہ علامات ہی سے کام لیا ہے ذیل میں کچھ علامتیں درج کی جاتی ہیں :-

(۱) خیاط، جامہ، قطع، بخیہ، سوزن، رشتہ، پیرہن، تار، لباس

(۲) سنگ طفلاں، مجنوں، جنون، صحرا، دشت، خار، آبلہ

(۳) قفل، کلید، آہن، خانہ

(۴) بالش، بستر، پر، سر

۵- شمشیر، زہگیر، تیر، لشکر، سپر، تیغ، خیمہ، معرکہ، زخم، زین، رکاب

۶- زلف، شانہ، آئینہ، گرہ، مشاطہ

۷- آسیا، غبار آسیا، دانہ، نان، تنور

۸- میخانہ، مستی، شراب، شیشہ، رند، مینا، محتسب، خانۂ خمّار، ابرِ بہار، ساغر، ساقی، جامِ سفال۔

۹- بازار، دکان، سودا، ترازو، کساد،

۱۰- طفل، گہوارہ، پستانِ مادر، شیر، آغوش۔

۱۱- بلبل، آشیانہ، پرواز، پروبال، قفس، دام، اسیری، صیّاد

۱۲- گل، گلبن، گلچین، باغبان، باغ، چمن، نرگس، برگ بید، چنار، گلدستہ، سبد

۱۳- طوطی، آئینہ، سکندر، زنگار، شیشہ گر۔

(۱۴) شطرنج، مہرہ، بساط، خانہ۔

(۱۵) شمع، محفل، مجلس، چراغ، دود، پروانہ، پرپروانہ، فانوس۔

(۱۶) طبابت، مرہم، دوا، درد، طبیب۔

(۱۷) چشم، نرگس، بیمار، سرمہ، میل، سرمہ دان، عینک، بینی

(۱۸) نگین، گہر، سوراخ گہر، مُہر

(۱۹) شیرین، فرہاد، بیستون، خسرو، تیشہ، خارا، جوی شیر

۲۰ - شیشۂ ساعت، ریگ، خاک بیزی۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اِن پٹی پٹائی علامتوں میں کیا تازگی اور جان ہے - یہ علامتیں جب ذہن میں آتی ہیں تو اپنے ساتھ بندھے ٹکے مضامین بھی فوراً لاتی ہیں ـ لیکن غنی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے یہ اور اسی قبیل کی دوسری علامتیں اپنائیں اور اُن میں دعویٰ اور دلیل کی مدد سے ایسی ایسی ندرتیں اور جدتیں پیدا کیں، اور نئے نئے مضامین نکالے کہ دیکھنے والے جھوم جھوم اٹھے اور صاحبانِ نظر کو غنی کی قدرتِ شعری اور دقتِ نظر کی داد دینی ہی پڑی۔

غنی نے اسی طرح ایہام بندی کو بھی شعار خاص بنایا۔ بندرابن خوشگو نے غنی کو سرخیلِ ایہام بنداں بنایا ہے۔ اور حاجی محمد اسلم سالم کے ذکر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ "غنی ایہام را بکرسی نشانیدہ"[۲]۔ اس سلسلے میں بھی لوگ غنی کی تاسّی کرتے اور اُن کے شعروں کا جواب لکھنے کی کوشش کرتے، چنانچہ خوشگو نے لالہ کرنجش حضوری کے ذکر میں لکھا ہے کہ:-

"... طرزش بہ صنعت ایہام بسیار مائل است چنانچہ در جواب ہر بیت استاد غنی کہ سرخیل ایہام بنداں است - درین ایام دہ ہزار بیت مشق کردہ واکثر مضامین ومعانی تازہ یافتہ"[۳]

خود غنی کو بھی اپنی استادانہ صلاحیتوں کا احساس تھا ؎

[۱] "سفینۂ خوشگو"، دفتر ثالث ص ۳۴۸ [۲] "سفینۂ خوشگو" ص ۳۸ [۳] سفینۂ خوشگو +

پیرو ماشو کہ ہمچون خامہ در راہ سخن	پی بمعنی مبنواں بردن ز نقش پای ما

ایہام و تمثیل کے علاوہ، غنی کے یہاں لفظی اور معنوی صنعتیں بکھری پڑی ہیں۔ تضاد، طباق، مراعاۃ النظیر، تجنیس، لفّ و نشر وغیرہ صنایع کا استعمال جا بجا ہوا ہے۔

خورشید الاسلام نے پہلے "تنقیدیں" میں اور بعد میں "غالب" میں تمثیل پر علی العموم اور غنی اور صائب کی تمثیل پر علی الخصوص اعتراضات کئے ہیں اور اس رجحان کو بے عمل رجعت پسندی کا آلۂ کار بتایا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ حقیقت نظر انداز کر دی ہے کہ تمثیل ہی نے فارسی شاعری کو کور ہی تخئیل پرستی، دور از کار تشبیہ بندی اور استعاروں کی چیستاں کاری سے باہر نکالا۔ تمثیل نے ہماری شاعری کو اسی دھرتی پر گھٹنیوں چلنا سکھایا۔ اور تجربات دنیاوی و مسایل اخلاق کو باضابطہ موضوع شاعری بنا کر ایک بڑی بے راہ روی سے بچایا۔ یہ اور بات ہے کہ اس جدید طرز میں زیادہ دور تک چلنے کی سکت نہیں تھی لیکن اس کے اکتسابات سے قطعاً منہ موڑ لینا صریحی ناانصافی ہوگی۔

غنی کی شاعری، استدلال کے بادلوں میں بھی، زمانے کے حالات، سماجی بے چینی اور اخلاق حسنہ کی بجلیوں کی چمک دکھائی رہتی ہے۔ کبھی وہ گرد و پیش کے حالات سے اتنا کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں کہ ایک انقلاب کی ضرورت محسوس کرنے لگتے ہیں ؎

انقلابے بعنم آباد جہاں می خواہم	شاید این طالع برگشتہ من برگردد
غنی در ملکِ دنیا انقلابے آرزو دارم	کہ خاک از گردشِ گردوں غبار آسیا گردد

کبھی کبھی غنی اپنے دور کے حکام کی سخت گیری اور حکومت کے استحصال کی نشاندہی سطرح کرتے ہیں

بر می جان ز دستِ سخت گیران مبنواں بردن	بزیر تیغ ہر گز کس نگیرد خامۂ مو را

روزی ما میشود آخر نصیبِ دیگران	طالع برگشتہ ہمچوں آسیا داریم ما
جز زیر خاک جای من خاکسار نیست	روی زمین ز مردم بالانشین پرست

اور وہ جہاں بخت اور قسمت کی بات کرتے ہیں وہاں اس طرح للکارتے بھی ہیں ؎

در معرکہ صد زخم رسد گر بتنِ ما — زان بہ کہ بود داغِ سپر بر بدنِ ما

کبھی اپنے دور کے تلخ تجربات کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں ؎

تا سرکہ پشیمانی دونان بخشیدیم — دندانِ طمع کند شد در دہنِ ما

خوشا عہدیکہ مردم آدم بے سایہ را دیدند — غریبست این زمان گر سایۂ آدم شود پیدا

سنگین دلست ہر کہ بظاہر ملائم است — پنہان درونِ پنبہ نگر پنبہ دانہ را

کسے بپرسش احوال من نمے آید — بغیر گریہ کہ آید بحالِ خویش مرا

ان سب کے علاوہ غنی چند اعلیٰ اقدار اخلاق کے نقیب تھے۔ وہ انسان کی بزرگی کا معیار اُس کے علم وفضل، زہد و اتقا کو سمجھتے تھے نہ کہ زر و اقتدار یا جبہ و عمامہ کو۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا، محنت کرکے کمانا، غربت میں بھی سینہ تانے رکھنا اُن کے نزدیک اس بات سے کہیں بہتر تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے یا سر جھکائے جائے۔ آزادہ روی، عزتِ نفس، عالی ہمتی، بلند کرداری اُن کا عام سبق ہے۔ کچھ باتیں عام تجربے کے طور بھی بیان کی گئی ہیں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ غنی ایک مُلّائے مکتب یا زاہد خشک تھے۔ وہ سماع کا شوق و ذوق رکھتے تھے، اور حسن کی اداؤں اور عشق کی جنوں انگیزیوں سے واقف تھے۔ لیکن اُن کا عشق سوز دروں سے مرکّب تھا، ہوس کا اس میں شائبہ بھی نہ تھا۔ انھوں نے حجّام کی بھی ہجو کی ہے اور گھوڑے کی بھی۔ اُن کے جاننے والوں میں اسلام خان اور سیف خان بھی تھے اور اُن کے جلسوں میں کلیم و سلیم بھی۔ غرض اُن کی ذات مختلف الجہات تھی اور اُن کی دلچسپیاں بھی متنوّع تھیں۔ انھوں نے اپنے اشعار میں جا بجا اس کا پتہ بھی دیا ہے۔ لیکن اُن کی زیادہ تر توجّہ درستی کردار اور اصلاحِ معاشرت پر تھی۔ اور انھوں نے غزل کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی غزل کو جس میں حسن و عشق اور شراب و شاہد کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہو گوارا بنانے کے لئے

صنایع و بدایع کا سہارا لینا ضروری تھا۔ غنیؔ نے صائبؔ کی تاسّی میں زیادہ تر تمثیل اور ایہام کو وسیلہ بنایا، کیونکہ ان صنعتوں سے بھی اُن کے مقصد کو تقویت پہنچتی تھی۔ جو بات وہ کہنا چاہتے اس کے لئے دلیل بھی دیتے یا پھر ایہام جیسی آسانی سے سمجھ میں آجانے والی صنعت سے موضوع کی خشکی کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔

اس روش کے مقبول ہو جانے سے شاعروں کی توجہ صرف سوز دروں کے ادا کرنے اور ذاتی غم کی اشاعت سے ہٹی، اور مقصدیت کا ایک احساس ہُوا۔ اگرچہ زوالِ سلطنت مغلیہ کے بعد جو افراتفری پھیلی اُس میں یہ رجحان پھر دب گیا اور انحطاط پذیر رجحانات ابھر گئے لیکن رباعیوں میں یہ اثر باقی رہا اور غزلوں میں کہیں کہیں نظر آتا رہا۔ بحیثیت مجموعی غنیؔ کی ادبی اہمیت کی جو شہرت گذشتہ زمانے میں رہی ہے وہ اُس دور کے مسایل اور تاریخی محرکات کو دیکھتے ہوئے بالکل ہی حق بجانب تھی اور غنیؔ کی شاعری کو خورشید الاسلام کی طرح سرے سے مطعون کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ غنیؔ متاخرین شعرائے فارسی میں جائز طور سے ایک خصوصی مقام کے مالک ہیں۔

مختصر حالاتِ زندگی

غنیؔ کی ابتدائی زندگی کے حالات بالکل ہی تاریکی میں ہیں۔ اُن کے والد کا نام یا سن ولادت بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ ولادت کے بارے میں مفتی محمد سعادت کشمیری[1] نے سنہ ۱۰۱۰ھ کا تخمینہ لگایا ہے جو بالکل غلط ہے اور محمد امین دار آب کشمیری نے سنہ ۱۰۲۰ھ کا اندازہ لگایا۔ یہ دونوں ہی اندازے ظنّی ہیں اور ان پر کوئی بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ اتنا قطعی طور سے معلوم ہے کہ جب سنہ ۱۰۴۱ھ میں صائبؔ کشمیر آئے تو غنیؔ کی شاعری مسلّم ہو چکی تھی۔ یقیناً یہ غنیؔ کی جوانی کا زمانہ رہا ہوگا۔

غنیؔ کا تعلق اشائی خاندان سے ہے۔ یہ خاندان بخارا[2] یا خراسان[3] سے ترک وطن کر کے

۱؎ حاشیہ تاریخ اعظمی۔ ۲؎ "رسالہ در فن شالبافی" از حاجی مختار شاہ اشائی۔ ۳؎ "تاریخ حسن"۔ +

کشمیر میں آ بسا تھا اور اپنے زہد و اتقا کے لئے مشہور تھا۔ غنی نے یہ رجحانات ورثہ میں پائے اور پھر ذاتی ریاضت اور ترک سے مقام خاص حاصل کرلیا۔

غنی نے تمام علوم متداولہ کی تعلیم پائی تھی۔ ادب کے علاوہ فلسفہ پر بھی گہری نظر تھی اور طبابت کو بطور فن حاصل کیا تھا۔ غنی کے اساتذہ میں صرف ملا محمد محسن فانی کا ذکر ملتا ہے۔ غنی نے علوم ظاہری و باطنی دونوں ہی فانی سے حاصل کئے۔ [1]

زندگی کا بیشتر حصہ غنی نے کشمیر ہی میں گذارا۔ اگرچہ کچھ تذکرہ نویسوں نے یہ لکھدیا ہے کہ مدت العمر اپنے ہی شہر میں رہے [2] لیکن خود غنی نے اپنی ایک رباعی میں اپنے اطراف ہند میں جانے کا ذکر کیا ہے ؎

اے بخت رسان بباغ کشمیر مرا   کردہ ست ہوائے ہند دلگیر مرا
از صبح وطن بدہ طباشیر مرا   گشتم ز حرارت غریبی بیتاب

اس کے علاوہ بھی ایسے اشعار موجود ہیں جن سے ان کے سفر کا حال معلوم ہوتا ہے :۔

در سفر دایم چو سوزن چشم دارم در قفا   بسکہ شد زنجیر پایم رشتۂ حب الوطن
گل باخار چیدہ را مانم   در سفر ہم بہ غم وطن ہست
کز چشم من بگرد سفر خواب رفتہ است   چون آسیا مپرس ز آسائشم غنی

وہ کشمیر کے باہر کتنے دن رہے یہ کہنا مشکل ہے۔ لیکن عمر کا بیشتر حصہ ان کے وطن ہی میں کافی تنگدستی کے عالم میں گزرا۔ ان کی کوئی گھریلو زندگی نہیں تھی۔ کیونکہ انھوں نے ساری عمر تجرد کے عالم میں گزاری۔ وہ تارک دنیا تھے اور یہ بات ان کے تخلص سے بھی صاف آشکار ہے۔ ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک ٹوٹا پھوٹا مکان تھا، وہ بھی مال و متاع دنیا سے یکسر خالی تھا۔ مسلم نے دیوانِ غنی کے دیباچے میں صاف صاف لکھا ہے کہ ان کے پاس کاغذ اور قلمدان کے علاوہ اسباب جہاں سے کچھ بھی نہ تھا۔ بس ایک بوریائے فقر زینت خانہ تھا اور غنی

---

[1] دیباچۂ دیوانِ غنی از مسلم۔ [2] "شمع انجمن" ۔ ص ۳۴۰ و "سرو آزاد" و "تذکرۃ الشعراء" از میر علاء الدولہ +

اسی میں مست تھے۔ فقر و فاقہ سے نہ تو چہرہ پر شکن آتی تھی اور نہ اُن کے پائے ہمت میں لغزش۔ وہ ایک گوشہ گیر فقیر تھے جو مال و دولت کی محفلوں سے کتراتے تھے اور بادشاہوں اور امیروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اُن کے استغنا کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے تنور کیلئے ہمسایہ سے آگ طلب کرنے کو بھی عار سمجھتے تھے۔

مصنّف "مشاہیر کشمیر" نے ایک روایت یہ لکھی ہے کہ غنی نے اپنے رہنے کیلئے ایک مختصر سا کمرہ منتخب کر لیا تھا۔ جب اُس کمرے میں ہوتے تو دروازہ بند رکھتے اور کہیں جاتے تو کواڑ کھُلے چھوڑ جاتے۔ کسی نے سبب پوچھا تو بتایا کہ "دوکان کا اصلی مال تو میں ہوں۔ جب میں ہی نہ ہوں تو دروازہ بند کرنے کی کیا حاجت ہے؟" اسی واقعہ کو ڈاکٹر اقبال نے بھی "پیامِ مشرق" میں نظم کیا ہے۔ [1]

غنی آن سخن گوی بلبل صفیر — نوا سنج کشمیر مینو نظیر

چو اندر سرا بود در بستہ داشت — چو رفت از سرا خانہ را واگذاشت

یکے گفت اے شاعرِ دل رسے — عجب دارد از کارِ تو ہر کسے

بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر — فقیر و باقلیمِ معنی امیر

زِ من آنچہ دیدند یاران رواست — درین خانہ جز من متاعے کجاست

غنی تا نشیند بکاشانہ اش — متاعے گرانست در خانہ اش

چو آن محفل افروز در خانہ نیست — تہی تر ازین ہیچ کاشانہ نیست

کشمیر میں غنی کا زیادہ تر وقت خانہ نشینی ہی میں گزرا اور درس و تدریس یا شعر و شاعری کے علاوہ اگر کسی اور چیز سے انھیں شغف تھا تو ترک و ریاض سے۔ خانہ نشینی ہی کا دور اُن کی شاعری کے فروغ اور حلقۂ درس کی وسعت کا بھی دور رہا ہے۔ اس دور میں انھوں نے دوستوں سے ملنا جلنا بھی ترک کر دیا تھا۔

---

[1] "پیامِ مشرق"۔ ص ۱۲۰ +

ماندم برون ز مجلسِ یارانِ آشنا — آخر چو حلقه بر درِ بیگانگی زدم

لیکن اُن کے بعض ہمسائے اور دوسرے حاسد اس عالم میں بھی انھیں چین سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ غنیؔ نے کھُلے لفظوں میں اس کا جا بجا شکوہ کیا ہے ؎

چون نسبت در افتاد گیم کس را شک — بر خاستہ از چہ رو بجنگم ہر کس

اگرچہ غنیؔ کے زمانۂ حیات میں ظفر خان احسنؔ، اسلام خان اور سیف خان کے سے علم دوست اور ادب نواز اُمرائے کشمیر میں موجود تھے اور اِن میں اسلام خان سے تو اُن کے گہرے روابط بھی تھے لیکن انھوں نے شاعری کو کبھی کسبِ زر کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ کبھی کسی سے صلۂ شعر کے طالب ہوئے۔ "تاریخ حیدو لیہ" میں یہ بات ضرور ظاہر کی گئی ہے کہ غنیؔ نے سنہ ۲۵ جلوس شاہجہانی میں ایک قصیدہ شاہجہاں کی خدمت میں پیش کر کے ہزار روپیہ انعام میں پایا، لیکن مولوی اکرام الحق سلیم کا خیال ہے کہ مورخ کو تسامح ہو گیا ہے اور وہ فرو غنی کو غنیؔ سمجھ بیٹھا ہے۔[۱]

بعض قلمی نسخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک رباعی اورنگ زیب کی مدح میں اور ایک اُس کے گھوڑے کی تعریف میں لکھی ہے جو شاملِ دیوان ہے۔ یقیناً اورنگ زیب سے غنیؔ کو کسی صلہ کی امید نہ رہی ہوگی بلکہ انھوں نے اس بادشاہ کی فقیر منشی سے متاثر ہو کر رباعی کہی ہوگی۔ تذکروں میں آیا ہے کہ جب سیف خان کی وساطت سے اورنگ زیب نے انھیں دلّی طلب کیا تو غنیؔ نے جانے سے انکار کر دیا۔

غنی اپنے متوسلین اور اعزّا کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر کی موت اُن کے سامنے ہوئی اور اس بات نے انھیں زندہ درگور سا کر دیا۔ بالخصوص ایک جوانِ عزیز خورشید کی وفات کا انھیں بہت صدمہ ہوا اور اس صدمہ کا اظہار انھوں نے اپنی کئی رباعیوں میں کیا ہے۔ یہ صاف طور سے پتہ نہیں چلتا کہ خورشید کا غنیؔ سے کیا رشتہ تھا، لیکن اشعار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ بہت قریبی عزیز تھا یا ہونہار شاگرد۔

[۱] رسالہ "معارف" اعظم گڑھ۔ نمبر ۔ دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء +

اگرچہ سرخوش نے اور پھر اُن کے اتباع میں بہت سے تذکرہ نویسوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ "غنی کے شعر کہنے اور تخلّص پانے کی تاریخ لفظِ غنی سے نکلتی ہے"[۱]۔ یعنی سنہ ۱۰۶۰ھ ہے لیکن یہ کلیتہً غلط ہے۔ نہ تو سنہ ۱۰۶۰ھ میں غنی نے شعر کہنا شروع کیا اور نہ انہیں انھوں نے یہ تخلّص ہی اختیار کیا۔ الٰہی نامی شاعر کا جو قطعۂ تاریخ غنی نے کہا ہے۔ اُس میں اپنا قدیم تخلّص طاہر ہی استعمال کیا ہے ؎

گفت تاریخ و فانش طاہر　　برد الٰہی زجہان گوی سخن
۱۰۶۴ھ

اس سے عیاں ہے کہ غنی نے سنہ ۱۰۶۴ھ تک طاہر تخلّص استعمال کیا۔ اس کے برعکس صائب نے اپنی بیاض میں اشعارِ غنی اسی تخلّص سے درج کئے ہیں۔ کشمیر میں صائب کی آمد سنہ ۱۰۴۱ھ میں ہوئی ہے۔ اُس وقت تک غنی نہ صرف یہ کہ شاعری شروع کر چکے تھے بلکہ بقول مولانا شبلی :-

"یہ تینوں شاعر کلیم، صائب، غنی، کشمیر میں مدت تک ہمدم اور ہم قلم رہے اور باہم مشاعرے کرتے رہتے تھے۔"[۲]

صائب کشمیر میں سنہ ۱۰۴۲ھ میں ظفر خان احسن کے ہمراہ آئے اور وہاں سے جب لوٹے تو ایران چلے گئے پھر پلٹ کر ہندوستان آنے کی نوبت نہیں آئی۔ اسی سفرِ کشمیر کے دوران صائب اور غنی کی ملاقات ہوئی۔ آمدِ صائب کے بارے میں کئی بعید مشتبہ روایتیں تذکروں میں موجود ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس شعر کے معنی دریافت کرنے، ایران سے چل کر کشمیر آئے کہ ؎

موی میانِ تو شدہ کرالبین　　کرد جدا کاسۂ سر ماز تن

اور کشمیر تا پہنچ کر لفظ کرالبین کے معنی معلوم کئے[۳]۔ اگر ایسا ہوتا تو صائب ایران سے کشمیر براہ راست آئے ہوتے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ صائب کشمیر پہنچنے سے کئی برس پہلے ہندوستان

---

[۱] کلمات الشعراء" از سرخوش۔ [۲] "شعر العجم" جلد ۳۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث "ذکر و فکر غنی" میں ملاحظہ کیجیے۔
[۳] "تذکرۂ حسینی"۔ ص ۲۲۹ +

آئے اور انھوں نے دلّی سے دکن تک سفر کیا۔ کشمیر تو آحسن اپنے ساتھ لائے۔ صائب اور غنی کے تعلقات کے پیش نظر کئی افسانے تراش لئے گئے ہیں۔ ان میں سب سے دلچسپ "بستان بے خزان" کی داستان ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:-

"گویند مرزا صائب براین بیت او:-

حسنِ سبزی بخط سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

وجد کرد و حظ وافی بر داشت و بارادۂ آن کہ این بیت در عوض جمیع اشعار خود بگیرد و بنام خود مشہور کند، بہ کشمیر رفت۔ قضارا او قضا کردہ بود۔ حسرت خوردہ گفت: حیف کہ ہمچو شعر در قیمت کشمیری شدہ۔[1]

حالانکہ صائب کی آمد کے تقریباً چالیس سال بعد تک غنی زندہ رہے۔ اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ صاحب "بستان بیخزان" جب صائب کا حال لکھنے بیٹھے تو وہ یہ بھول گئے کہ غنی کے بارے میں کیا لکھ آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

"در سنہ اثنین واربعین والف ظفر خان را حکومت کشمیر جنت نظیر بہ نیابت پدرش قرار یافت۔ بسیر و تماشای آن بہشت برین روی زمین ہا از مقتضات دانستہ باتفاق ظفر خان رفت و چندے آب و ہوای آنجا جسم و روح را بالیدگی و توانائی دادہ باایران دیار باز گشت۔"[2]

ان روایات کے صحت و سقم سے قطع نظر، اس امر میں شک نہیں ہے کہ صائب غنی کی شعری صلاحیتوں سے بیحد متاثر ہوئے تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ غنی کے "حسن سبزی بخط سبز الخ" والے شعر کو انھوں نے بیحد پسند کیا اور اپنی پسند کا اظہار انھوں نے ان لفظوں میں کیا کہ غنی میرا کل دیوان لے لیں اور مجھے یہ شعر دیدیں۔ غنی نے بھی صائب سے ایک ربط معنوی پیدا کر لیا تھا اور اس کی بنا پر صائب برابر غنی کو یاد کیا کرتے تھے۔

---

[1] "بستان بے خزان"، ورق ۱۵۰ الف۔ [2] "بستان بے خزان"، ورق ۱۱۸ ب +

جب ہندوستان سے کوئی ایران جاتا تو صائب اس سے یہ سوال کرتے کہ میرے لئے ہندوستان سے کیا تحفہ لائے ہو؟ اور تحفہ سے ان کی مراد ہمیشہ کلامِ غنی ہوا کرتی تھی۔[1] میر علاء الدولہ کے بیان کے مطابق صائب نے اپنی نجی بیاض میں غنی کے دو سو اشعار نقل کئے تھے۔

غنی کی صحت ٹھیک نہیں رہتی تھی اور وہ اکثر امراض و عوارض میں مبتلا رہا کرتے تھے۔ مسلم کا بیان ہے کہ وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔ انھوں نے جابجا اپنے دردِ اعضا کا بیان بڑی اذیت اور کرب کے ساتھ کیا ہے۔ وہ کبھی کبھی تپ میں بھی مبتلا رہا کرتے تھے۔ بالآخر یہ عوارض جان لیوا ثابت ہوئے۔

غنی نے ۱۰۷۹ھ میں انتقال کیا اور سری نگر ہی میں دفن ہوئے۔ انتقال کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں۔ یہاں نصر آبادی کے تذکرہ کی روایت قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے:۔

"از صحیح القولے مسموع شد کہ بادشاہ والاجاہ ہندوستان، بسیف خان حاکم کشمیر نوشت کہ او (غنی) را روانہ پایہ تخت نماید۔ سیف خان اورا طلبیدہ تکلیف رفتن بہند نمود۔ او ابا نمودہ گفت کہ عرض کنید دیوانہ است۔ خان گفت "عاقلے را چون دیوانہ بگویم؟"، او فی الفور گریبان خود را دریدہ دیوانہ وار روانہ خانہ شد، بعد از سہ روز فوت شد"۔[2]

اسی طرح کشمیر ہی نہیں بلکہ سارا ہندوستان اس دور کے ایک عظیم فارسی شاعر سے محروم ہو گیا۔ محمد علی ماہر نے تاریخ وفات کہی ہے

غنی سر حلقۂ اصحاب ووز نکتہ دانی شد	چو داد ش فیضِ صحبت شیخ کامل محسن فانی
کہ۔ آگہے سوئے دارِ بقا از دارِ فانی شد	تہی چون کرد بزمِ شیخ را گفتند تاریخش

۱۰۷۹

اس کے علاوہ مرتب دیوان، مسلم، نے تین تاریخیں کہی ہیں اور کچھ دوسری تاریخیں بھی مختلف حلقوں کی جانب منسوب ہیں۔ سنۂ وفات کے بارے میں بھی روایات میں اختلاف ہے۔

---

[1] "مجمع النفائس"، "مجمع الفصحاء"۔ [2] تذکرۂ نصر آبادی مطبوعہ طہران۔ ص ۴۴۵ +

لیکن ۱۰۷۹ھ ہی درست ہے۔ [1]

اعترافات

دیوانِ غنی کی ترتیب جدید میں داراب کشمیری نے بڑی محنت کی ہے اور ابتدائی تصحیح کا کام بھی انھوں نے لگن سے کیا ہے۔ اُن کے علاوہ حیرت کاملی اور غلام نبی خیال نے بھی چند بیاضوں وغیرہ کی نشاندہی میں مدد کی۔ قاضی عبدالودود، امتیاز علی عرشی، سید صباح الدین عبدالرحمن، ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی اور نثار احمد فاروقی نے کتابوں، تذکروں اور ضروری نقول کی فراہمی میں میری اعانت فرمائی اور اپنے بیش بہا مشوروں سے بھی نوازا۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، رنبیر سنگھ لائبریری، جموں، خدابخش لائبریری، پٹنہ، دارالمصنفین، اعظم گڈھ، دلی یونیورسٹی لائبریری، آزاد لائبریری، علیگڈھ، رضا لائبریری، رام پور اور کتب خانۂ محکمۂ تحقیق و اشاعت، ریاست جموں و کشمیر کے منتظمین نے بھی ہر قدم پر تعاون کیا۔ میں اِن سب کا اور بالخصوص "جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگوئجز" کا بیحد ممنون ہوں کہ اتنا اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ❊

---

[1] سوانح کی تفاصیل کے لئے میری تصنیف "ذکر و فکر غنی" دیکھئے۔

اشارات

[جن مطبوعہ اور قلمی نسخوں یا بیاضوں سے دیوان غنی کی تصحیح میں مدد لی گئی ہے، ان کی نشاندہی اشارات ذیل میں کی گئی ہے]

مخطوطات "دیوان غنی"

(ا) نسخہ مملوکہ جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر، کاتب ملک ابوالبقا۔ تاریخ تحریر ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۱ھ مطابق سنہ ۱۷ء۔ غنی کو "ملک الشعراء بابا محمد طاہر عرف اشائی، تخلص غنی" لکھا ہے۔

(اا) نسخہ آگرہ، خرید کردہ جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر، نام کاتب نامعلوم۔ تاریخ تحریر ۸۰ سنہ ۱۰ھ مطابق ۱۶۶۹ء قدرے ناقص الاوّل۔ خوشخط و صحیح۔ تاہنوز قدیم ترین نسخہ۔

(ب) نسخہ مملوکہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ (کیٹلاگ ۴۷۷) کاتب محمد نعیم۔ تاریخ تحریر ۱۵۔ ربیع الآخر سنہ ۱۱۴۰ھ خواہ سنہ ۱۱۸۴ھ (مطابق سنہ ۱۷۲۷ء خواہ سنہ ۱۷۷۰ء)۔ سنہ کے اعداد ناصاف لکھے ہوئے ہیں۔ اس پر نصیر الدولہ نصرت جنگ بہادر، حافظ محمد ناصر خان بہادر اور فورٹ ولیم کالج وغیرہ کی مہریں ہیں۔ آئی وناف نے سوسائٹی کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں لکھا ہے کہ اس نسخہ میں ماہر کا دیباچہ ہے۔ یہ غلط ہے اس میں بھی وہی مسلم کا دیباچہ ہے جو تمام معروف نسخوں میں ملتا ہے۔

(ب ا) نسخہ مملوکہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ (کیٹلاگ نمبر ۷۷۵) نام کاتب ندارد۔ تاریخ تحریر ۲۲۔ جمادی الاول سنہ ۱۱۷۱ھ کسی قدر ناقص ہے۔ اس میں کئی غزلیں ملا کر قصاید بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(ب ب) نسخہ مملوکہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ (کیٹلاگ ع ۷۷۶) کاتب و تاریخ تحریر ندارد۔ قرائن سے بارہویں صدی ہجری کا نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ ناقص الآخر ہے۔

(پ) نسخہ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست جلد سوم ۳۳۴/ ۵۹۴) خوشخط، نستعلیق، حواشی مطلا، صفحۂ اول پر نقش و نگار۔ تاریخ تحریر رمضان المبارک سنہ ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء۔ کاتب محمد فیض اللہ۔ خواجہ محمد جان جیو کی فرمائش پر لکھا گیا۔

(پ ح) نسخہ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ، (نمبر فہرست جلد سوم ۳۳۵/ ۵۹۶) خوشخط، نستعلیق، تاریخ تحریر ۶۔ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق سنہ ۱۸۵۶ء کاتب عبدالحلیم۔ ابتدائی نو غزلیں محشّی۔ کاغذ مختلف رنگوں کا۔

(پ م) نسخہ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ (نمبر فہرست شاملات جلد اول ۱۹۱۰/ ۱۹۰۴ ناقص الاول۔ تاریخ تحریر و نام کاتب نامعلوم۔ مطبع مصطفائی کے مطبوعہ نسخہ کی نقل معلوم ہوتا ہے۔

(پ د) "دیباچہ دیوان غنی"۔ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست شاملات جلد دوم، ۲۳۴۷/ ۲۳۴۷) یہ (پ م) کا جزو اول معلوم ہوتا ہے۔ شان خط اور کاغذ ایک ہی ہے۔ غالباً جلد سازی کے وقت (پ م) سے جدا ہو گیا۔ اور غلطی سے ایک علیحدہ جلد میں شامل ہو گیا۔ یہ دیباچہ مسلم کا تحریر کردہ ہے۔

(پ س) "دیوان غنی کشمیری" مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست ۶۸/ ۲۴۱۹) نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد۔ صفحہ اول پر نواب مجد الدولہ کا نام

لکھا ہے۔ غالباً انہیں کے لئے حاصل کیا گیا ہوگا۔ نسخہ کی خریداری کے بارے میں بھی ایک مختصر سی عبارت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے سعد اللہ کی معرفت ۴۔ شوال ۱۱۵۴ھ مطابق ۱۷۴۱ء خرید اگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تحریر اس سے پہلے ہی کی ہوگی۔

(پ ف) نسخۂ مملوکۂ خدا بخش لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست ۲۴/۷۳ ۲۴۲) تاریخ تحریر ۲۸ محرم الحرام ۱۰۸۸ھ مطابق ۱۶۷۷ء۔ کاتب محمد شفیع اصفہانی۔ سنہ کتابت کچھ ناصاف ہے لیکن ۱۰۸۸ھ ہی پڑھا جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو (۱۱) کے بعد سب سے پرانا نسخہ یہی ہے۔

(پ گ) نسخۂ مملوکۂ خدا بخش لائبریری پٹنہ (نمبر فہرست ۳۳۶۶) کاتب گورپرشاد۔ تاریخ تحریر ۱۷ جمادی الثانی سنہ ندارد۔ غالباً بارہویں صدی ہجری کی تحریر ہے۔

(پ ق) نسخۂ مملوکۂ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست ۲۶۸۴) ناقص الاول والآخر۔ نام کاتب و تاریخ تحریر نامعلوم۔

(پ ع) نسخۂ مملوکۂ قاضی عبدالودود، بار ایٹ لا، پٹنہ۔ نام کاتب و سنۂ کتابت نامعلوم۔ اغلاط سے پُر ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاتب کم علم تھا۔ اندازے سے یہ نسخہ کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ ایک مثنوی صرف اسی نسخہ میں ملی ہے۔

(ج ب) نسخۂ دیوان غنی مملوکۂ جامع مسجد بمبئی۔

(ج) نسخۂ مملوکۂ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز ڈیپارٹمنٹ حکومت جموں و کشمیر

(ر) نسخۂ مملوکۂ رضا لائبریری، رام پور (نمبر ۳۵۲۶ ف) کاتب محمد ماہ، تاریخ کتابت ندارد۔ اس پر کسی سید محمد شاہ صاحب کی مہر ہے۔ یہ انتخاب دیوان ہے۔

(ر ا) نسخۂ مملوکۂ رضا لائبریری رام پور (نمبر ۳۵۲۴ ف) کاتب کا نام درج نہیں ہے۔ تاریخ اختتام کتابت ۲ شعبان ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ء۔

(ر ب) نسخۂ مملوکہ رضا لائبریری، رام پور (۳۵۲۵ ف) "ر" اور "ر ا" کے
کے مقابلے میں اس میں کچھ اضافے بھی ہیں۔ تاریخ تحریر ندارد۔

(ل) نسخۂ مملوکہ برٹش میوزیم لندن (فہرست ریو جلد دوم نمبر ۳۰۰ OR 5)
اٹھارہویں صدی کے نصف اول کی تحریر اودھ کے شاہی کتب خانہ کا نسخہ۔

نسخہ ہای چاپی دیوان غنی

(م م) "دیوان غنی" مطبوعۂ مطبع مصطفائی، لکھنؤ۔ تاریخ طبع ۲۷ رمضان المبارک
۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء۔ یہ نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی اور رضا لائبریری رام پور میں
موجود ہے۔ اس نسخہ کی تصحیح محمد مصطفیٰ خان نے ۱۱۰۲ھ کے لکھے ہوئے ایک قلمی نسخہ سے کی تھی۔

(م ا) "دیوان غنی" مطبوعہ مطبع آصفی، کانپور عشرہ خیرہ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء

(م ن) "دیوان غنی" مطبوعہ مطبع نولکشور، کانپور۔ سال طباعت ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء

(م ک) "دیوان غنی" مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ۔ طبع نہم بعد ترمیم و اضافہ۔ تاریخ طباعت ۹ جنوری ۱۹۳۱ء

بیاضیں

(ب ح) بیاض مملوکۂ پیر حسام الدین کاتب کشمیری

(ب م) بیاض محی الدین کشمیری مملوکۂ شمس الدین حیرت کاملی

(ب ق) بیاض قاسم خان مخلص، مملوکۂ حیرت کاملی

(ب ز) نقل بیاض زیب النساء بیگم، مملوکۂ شمس الدین حیرت کاملی

دیباچۂ دیوانِ غنی

از

مسلم شاگردِ غنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رباعی

اے ذاتِ تو سر دفتر افرادِ وجود　هر بود و نبود در ازبودِ تو نمود
تا وصفِ جمیلِ تو نیاید بمیان　حرفی بجهان نبود از گفت و شنود

قادرے کہ گلهای رنگین معانی در زمینِ سخن سبز کردهٔ دست قدرت اوست، و کوکب درخشان مبانی بر فلک معانی پرورده نظر تربیتِ او، ارواحِ علوی با بدانِ سفلی برابطۂ حکمت او آشناست، و جامۂ الفاظ بر قامتِ معانی بعلاقۂ قدرت او رسا۔ لفظ را بهدایتِ معنی محرم خلوتکدهٔ راز گردانیده و معنی را بسفارت لفظ روشناس قلم و آواز، مبانی را آئینۂ جمال معنی گردانیده و معنی را مایۂ کمال مبانی، این معنی را حیز و استعداد خود ساخت و آن لفظ را مایۂ تعرف خویش شناخت، لفظ بر گل معنی بلبلِ[1] غزلخوان شد و شاهد لفظ را معنی از دعا گویان نهان، من بیزبان را چه یارا کہ از حمد و ثنای او دم زنم و در چار بازار سخن خود را در زبان مردم افگنم، لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك صدقت یارسول الله صلوات الله علیك و سلامه، غواصانِ این بحر بے پایان، تا حبسِ نفس نکنند بگوهر مقصود نرسند، و شناورانِ این دریای بیکران تا دست بدامن عجز نزنند رخت از ورطۂ هلاک نکشند، هر گاه برافرازندهٔ لوایِ انا افصح در مجمدِ نش زبانِ گفتگو بکام کشیده و شربتِ تمکر را بمذاقِ خاموشی چشیده، من کیستم کہ تا در خورِ حمدِ مَنیش مدحے سرایم و حضرتِ بے چون را بحرف و صوت ستایم۔　رباعی

[1] در (م م) لفظ "بلبل" دیده نمیشود +

آن پیشروِ قافلهٔ اہلِ نیاز سرحلقهٔ محرمانِ خلوتگہِ ناز
بے کام وزبان ثنایِ او درخوردید زانسان که ز پرده برنیاید آواز

امّابعد۔ مسلِم مجرم بعرض میرساند که نقدِ سخن نقدیست روان، و گنجے ست از مخازنِ یزدان، که در ہر عصرے و زمانے آنرا بیش یکے از خواص عباد ودیعت میگذارد، تاکه ہر یکے از خاک نشینان خرابهٔ امکان بقدرِ امکان بہرہ بردارد و درین جزو زمان که آوانِ تازگی و طراوت سخن و گرمیِ بازارِ این متاع کہن ست، اکثر ناقص عیاران این بازار پیرایهٔ ہنر پوشیده در ہر طرف دکانے چیده اند و خزفے چند در رشته درہم کشیده، امّا چون بنظر اعتبار ملاحظه کرده شود، چہرهٔ الفاظشان از گونه نجابت معنی خالی ست و غایت نظر ایشان بترتیبِ مرکبات خیالی، معنی و قوعی در کلام شان معدوم مطلق ست و امور موہومه در پیش ایشان ثابت و محقّق، خلعت این خلافت بکسے سزد که الفاظش بر قامت معنی چسپان ست و لفظ و معنیش باہم دست و گریبان، و قرعهٔ این دولت بنام کسے افتد که مصرعش بمصرع دیگر رسیده و ارادهاش بانفس مراد دوچار گردیده، رباعی

تو شعر مگو بکلامِ لا یعنی را در شعر و سخن ره بنود اعنی را
طفلیست یتیم در کنارت معنی لفظے باید که پرورد معنی را

کلامیکه ناخن دخل را کند و گذارِ وہم را در حوالیِ آن راه نیفتد کلامِ سحر نظام تارک مراعتبت دنیای دنی، مظہرِ انوار کمالاتِ سنی، مرحومی مولانا طاہر غنی ست که بشرفِ ودیعتِ این خزانه رسیده، و تخلّص غنی در شانِ او از عالم غیب نازل گردیده، الفاظش در رنگینی نمونهٔ گلہای گلزار ست و معانیش در دلنشینی ہم سنگ لآلی شاہوار، مصرعِ مشہورش در بوستانِ معنی سرو سیست روان، و بیت بلندش در میدانِ سخن رایتے ظفر نشان، خطِ محو در مسوّدهٔ قلم گوہر بارش چون خط جوہرہای معدوم، و نقطهٔ شک بر صفحهٔ اشعارش پہلونشین نقطہای موہوم، حرفِ رنگینش تا از لب سر زند چون خط نو خطان سبز مے گردد و سخنِ دلنشین تا از زبان بر آید مانند ریختهٔ قلم خوشنویسان بکرسی مے نشیند

واستخوان بندی سخنش جان معنی بقالب لفظ می اندازد و بند وبست کلامش شگفتگی زبان قلم درست میبازد و نظمش مطلع
دیوان سخن هاست و نثرش بیت الغزل جریدهٔ انشا، هر بیتش بزبانِ حال بکمال سخن فهمی او قایل ست و دو مصرع
رسیده اش برین دعوی بهر لفظ انتخاب رسیده و کلام سحر آئینش ملهم غیبی ست باین معنی ناطق گردیده، اگرچه آن
مجمع کمالات بیشتر بشاعری شهرت یافته و شعرش درین باب تیزدستی بکار برده، امّا کمالاتِ شاعری او نمونه ایست
از کمالات دیگر و سخنانِ رنگینش گونه ایست از جمالِ معنی او و بنکو سیر طبع بدیهه پایش هرگز بفکر شعر سر فرو دنیاورده
و تدوین دیوان را تحصیل حاصل شمرده، علم را نقاب عرفان ساخته بود و شعرش پرده داری هر دو می نمود، معارف حقیقی را
در لباس علوم رسمی روپوش میساخت و از سخنانِ گوناگون برقعه و تخته بر بالای هر دو می انداخت، چنانچه خود میفرماید شعر

ز شعر من شده پوشیده فضل و دانش من   چو میوه که بماند بزیر برگ نهان

اگر افلاطون نشئه از فراستش بمبدا انشت هرگز در خم نمی نشست و در زیرک و تجرید جهان نمی کوشید که از هیکل
هیولانیش پوستی و استخوانی مانده بود، از اسباب اینجهانش کاغذی و قلمدانی، از عزلت و انزوای ذاتی
بغیر از سخنانِ وحشی رام نمیشد و بجز معنی بیگانه با هیچکس آشنائی نمیکرد، تنش روحی بود مجسّم که سخنانِ
یارنگینش آئینهٔ حالِ اوست، و روحش نوری معظّم که معانی روشنش درین عالم پنج مثالِ او،
درین کمالات بجنابِ فواضل مآب عارفِ معارفِ حقّانی، سالکِ مسلکِ سخندانی، حضرت شیخ محسن فانی
دامت علی سائر المسلمین فیوضانه انتساب داشت و خود را بفنای فی الشیخ می انگاشت،
و در سرِ این سال که مرغ روح آن سبک سیر شاهراهِ معنی با طائر سخن تا آشیانِ ملاء اعلی شتافته و در فضای
عالمِ ملکوت پروازِ طائران قدس یافته، نسخهٔ چند که از ذاتِ شریفش یادگار مانده بود و جز بر صفحهٔ
روزگار ثبت نمی نمود، و خلفی چند که طبع لطیفش بجای خود نشانده، چون یتیمان بی خانمان در سفینه
های مردم کوچه بکوچه میگردید، پیش از آنکه مسوّدهٔ اشعارش جمعیت پذیرد و سخنانِ بیاضش صورت
دیوان گیرد رشتهٔ حیات از هم گسیخت و نسخهٔ وجودش از ترتیبِ اجزای عنصری افتاد۔

قطعات تاریخ لمؤلفه

از فوتِ غنی گشت کِه و مه غمگین   هر کس شده در ماتم او خانه نشین

تاریخ وفاتش ار بپرسند، بگو   پنهان شده گنج ہنرے زیر زمین
۱۰۷۹ھ

ایضاً

دوش ہن گفت قائلے کہ غنی مرد   قلتُ اُسکُت اَنتَ لَیسَ ذَکِیّاً

اہل دل اے بیخبر بمرگ نمیرند   کَیفَ یَمُوتُ الَّذِی یَکُونُ تَقِیّاً

نیست وفاتش جز انتقالِ مکانی   کَانَ تَقِیّاً وَطَاھِراً وَنَقِیّاً

زندگی دیگریست مرگِ عزیزان   مرد ولی عِندَمَن یَکُونُ غَبِیّاً

دل ز خرد سالِ رحلتش چو طلب کرد   قَالَ لَنَا اَن نَقُولَ حَیٌّ غَنِیّاً
۱۰۷۹ھ

چون این ہیچمدانِ کج مج زبان بجناب آن مغفور نسبت شاگردی داشت واز صحبت دائمیش علمِ مفاخرت می افراشت، خواستم باتفاق[۱] خادم الفضلاء، ملک الشعراء، سر حلقۂ شاگردان رشید ملک شہید بتدوینِ دیوان سحر بیانش خوشا گردی بتقدیم رسانم وبشاگردی او خود را استادِ عالمے گردانم، وقصد آن کردم کہ بیت بیت ومصرع مصرعش از ہر جا بہم رسانیدہ بصورت دیوانی جمع آرم واین ریزہ ہای خوان احسانش در سفرۂ اخلاص بگذارم کہ ہر کس ازین نعمتِ روحانی بہرۂ بردارد، آن مغفور را بفاتحۂ خیرے یاد آرد ومرا نیز محروم نگذارد، شعر

اگر چہ نیک نیم خاکِ پای نیکانم   عجب کہ تشنہ بمانم سفالِ ریحانم

تفرقۂ جمیع دوستان بجمعیت مبدّل باد، بالنّبیِّ وآلِہِ الاطہارِ والامجادِ +

---

[۱] "باتفاق خادم الفضلاء ملک الشعراء سر حلقۂ شاگردان رشید ملک شہید" در (ب ۱) یافتہ نمیشود - گمان غالب آنست کہ الحاقی باشد +

دیوانِ غنی

بترتیبِ جدید محمد امین داراب کشمیری

از

ملا محمد طاہر غنی کشمیری

مقدمہ و تصحیح و حواشی

از

علی جواد زیدی

ناشر:
جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنونے کو کہ از قید خرد بیروں کشم پا را
کنم زنجیرِ پای خویشتن دامانِ صحرا را

بہ بزم می پرستاں محتسب خوش عزتے دارد
کہ چون آید بہ مجلس شیشہ خالی میکند جا را

اگر شہرت ہوس داری اسیرِ دامِ عزلت شو
کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نامِ عنقا را

ببزمِ مے پرستاں سرکشی بر طاق نہ زاہد
کہ مینبر نزند مستاں ہمیجا با خونِ مینا را

شکست از ہر در و دیوار می بارد مگر گردوں
ز رنگِ چہرۂ ما ریخت رنگِ خانۂ ما را

ندارد رہ بگردوں روح تا باشد نفس در تن
رسائی نیست در پرواز مرغِ رشتہ در پا را

غنی روزِ سیاہِ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ روشن کرد نورِ دیدہ اش چشمِ زلیخا را

مبارک اے بجنت بہر غرقِ ما در شورِ دریا را
پرِ ماہی مگرداں بادبانِ کشتیِ ما را

لباسِ ما سبکساراں تعلق بر نمی تابد | بود ہمچوں حباب از بخیہ خالی پیرہن مارا
بود از شعلۂ آوازِ قلقل بزم می روشن | سرت گردم مکن خاموش ساقی شمع مینا را
دمِ جاں بخشِ او تا رنگِ حیرت ریخت در عالم | ز مہر آئینہ در پیشِ نفس دیدم مسیحا را
اگر لب از سخن گوئی فرو بندیم جا دارد | کہ نبود از نزاکت تاب بستن معنی مارا
نمی باشد مخالف قول و فعل دوستاں باہم | غنی تا چند پرسی دستگاہِ ملکِ دنیا را[1]

غنی ساغر بکف جمشید پیشِ می فروش آمد
کہ شاید در بہای بادہ گیرد ملکِ دنیا را

تہی کن ایدل از پروردۂ خود زود پہلو را | کہ آخر نافہ تا کشتن بود ہمراہ آہو را
نگردد شعرِ من مشہور تا جاں در تنم باشد | کہ بعد از مرگِ آہو نافہ بیروں میدہد بو را
ز آسیبِ صبا آسودہ تا صبحِ ابد باشد | کند شمع از پرِ پروانہ گر تعویذ بازو را
بزر می جاں ز دستِ سخت گیراں میتواں بردن | بزیرِ تیغ ہرگز کس نگیرد خامۂ مو را
کند در پیشِ آں پای نگاریں سجدہ ہا زلفش | بلے کارے بہ از آتش پرستی نیست ہندو را
فلک در گردش ست از بہرِ خوابِ بختِ ناسازم | بود در جنبشِ گہوارہ راحت طفلِ بدخو را

غنی از سستی طالع شکست قند بیازارم
پئے سودا بکف گیرم اگر سنگِ ترازو را

---

[1] این شعر فقط در (ا) یافتہ میشود +

تواند صورتے دادن شبیهٔ[1] آن پری رو را مصوّر گر کند از بالِ عنقا خامهٔ مو را

هزاراں معنیِ باریک باشد بینِ ابرو را بغیر از موشگافاں کس نفهمد معنی او را

بہ نغمہ دل چو نَی بستند کم ظرفان و زین غافل که این مے آخر از تندی کند سوراخ پہلو را

میانِ کشتگاں سر از خجالت بر نمیداریم نهی تا چون کمان کردیم از تیرِ تو پہلو را

مگر نقلے ز روی نسخهٔ حسن تو بردارد که مه امشب کشید از هاله جدول صفحهٔ رو را

غنی تا چند باشد سینه چاک از دستِ عُریانی

بتارِ پیرہن دوزید چاکِ سینهٔ او را

ز بس که بار گذارد قدم بخانهٔ ما سزد که کعبه شود سنگ آستانهٔ ما

سزد که دعویِ همسایگی بهور کنیم که صحن خانهٔ خلق است بام خانهٔ ما

درین بہار که با سبزه دام همرنگ است چو تخم مرغ نگردید سبز دانهٔ ما

دل از خیالِ گرہ ہای زلفِ یار پر است گهر ز مهرهٔ مار است در خزانهٔ ما

ز شومیِ قدمِ ما شود غنی ویراں

بود ز آهن اگر چوں کلید خانهٔ ما

ز روی ماه سیاهی بنورِ ماه نرفت نیامد است بکارے کمالِ خویش مرا

کسے بپرسشِ احوالِ من نمی آید بغیرِ خنده[2] که آید بحالِ خویش مرا

---

[1] خیال ـ (۱۱)، و (ج)ـ [2] گریه (م ک)؛ خنده (ا، و (۱۱) +

زغنچه تکیه چو شبنم بزیر سر نه نهم — که به ز بالش پر هست بالِ خویش مرا

بسانِ شمع که افتد زپنبه خود بگداز — وبالِ گردنِ خود گشت بالِ خویش مرا

بگلشنِ دگرے چشمِ من نمی افتد
گلِ مراد شگفت از سفالِ خویش مرا

درمعرکه صد زخم رسد گر بتنِ ما — زاں به که بود داغ سپر بر بدنِ ما

تا سرکہ پیشانیِ دوناں نخشیدیم — دندانِ طمع کند نشد در دہنِ ما

عمر یست که جز شکوهٔ ما کار ندارد — دوزید لبِ گور تنارِ کفنِ ما

بردند پس از مردنِ ما معنیِ ما را — صد شکر که ماند ست بیاراں سخنِ ما

از بسکه ضعیفیم بیادِ کمرِ او[1]
جز مور دگر کس نسزد گورکنِ ما[2]

گفتگو یکرنگ[3] نبود عاقل و ہشیار را — در نفس باشد تفاوت خفته و بیدار را

طفلِ اشکم گر بیازی رو بصحرا آورد — کاغذِ بادی شمارد ابرِ دریا بار را

دل بسند لال سبزم ماندم از مقصود دور — بر زباں کردم تصوّر راہِ ناہموار را

حالِ ما از نامۂ بالِ کبوتر روشن است — ما چه بنویسیم شرحِ سینۂ افگار را

---

۱ یار (ج)۔ ۲ "جز مور کسے نیست غنی گورکنِ ما" (ب ا، ودم ک)؛ "جز مور دگر کس نسزد گورکنِ ما" (۱، و (۱۱)، و (ج)۔ ۳ یکساں نباشد (۱۱) +

شیشه‌ها را محتسب از بسکه بر دیوار زد — گرد مینا کار آخر خانهٔ خمّار را

از مه و انجم غنی بر اهلِ بینش روشن است
کز سفیدی نیست نقصان دیدهٔ بیدار را

چشمِ ما روشن شد از خاکِ درِ میخانه‌ها — ریختند از سرمه گویا رنگِ این کاشانه‌ها
سعی بهرِ راحتِ همسایگاں کردن خوش است[1] — بشنود گوش از برای خوابِ چشم افسانه‌ها
برهم از سرگرمیِ ما خورد بزمِ میکشاں — آتشے گشتیم و افتادیم در میخانه‌ها[2]
در شبِ زلفِ تو خوابِ خوش نصیبم کے شود — خار میروید ز پهلویم بسانِ شانه‌ها
آتشِ داغِ جنوں از سنگِ طفلاں مے کشند — یک نفس غافل نبید از کارِ خود دیوانه‌ها
رفت عمرم در غریبی بر بساطِ روزگار — گرچه همچوں مهرهٔ شطرنج دارم خانه‌ها
بعدِ مردن[3] هم نگردم سیر از صهبا کشی — مَی به خُم نوشم چو گردم خاکِ درمیخانه‌ها
بعدِ مردن[4] گر خورد افسوس آں سرکش چه شود[5] — مے گزد انگشت شمع از ماتمِ پروانه‌ها

دایم از مستی غنی در رقص چوں دولاب باش
گر نباشد مَی، تواں کرد آب در پیمانه‌ها

ما بلبلاں بلند نشانیم خانه را — خوش کرده ایم خانهٔ یک آشیانه را

---

۱ بجاست (ب ا)۔ ۲ کاشانه‌ها (ب ا)، ۳ این شعر در (ا)، و (م ک)، دیده میشود۔ ۴ مرگم (ا)، و (ا ا) + ۵ دور (ا)، و (ا ا)، +

سنگین دل است هر که بظاهر ملایم است — پنهان درونِ[۱] پنبه نگر پنبه دانه را

شد سنگِ آستانهٔ دین هر بتے که بود — کافر بیا و سجده کن این آستانه را

دندان مار گرچه بافسوں تواں کشید — از زلفِ او جدا نتواں کرد شانه را

روزیکه گل ز باغ بغارت برد خزاں[۲] — بلبل بباد ده سبدِ آشیانه را

سامانِ دل خیالِ گره های زلف ست — گوهر بود ز مهرهٔ مار این خزانه را

اندیشه گر ز تنگیِ گور ست بود غنی
در زندگی ز خاک برآور خزانه را

نماید حکمتش چوں در شفا بخشی یدِ بیضا — گذارد پنبه را بر داغ ماهی از کفِ دریا

ندارد در هوای گرم لطفے آتشِ صهبا — هلالِ عید دام گر رگِ ابرے شود پیدا

نصیبے نیست از اهلِ کرم برگشته بختاں را — که هرگز پُر نسازد کاسهٔ گرداب را دریا

زبانِ نے بآوازِ بلند این حرف میگوید — که میسازد بیکدم چوب را صاحب نفس گویا

خوشا عهدیکه مردم آدمِ بے سایه را دیدند — غریب ست این زماں گر سایهٔ آدم شود پیدا

رهد کے در حصارِ خط ز دزداں معنیٔ روشن
کجا مهر از کلف محفوظ دارد خرمنِ مه را

شد ختم بر حدیثِ تو آخر بیانِ ما — باشد نگینِ نامِ تو مهرِ دهانِ ما

---

۱ بزیر (ا)؛ ۲ صبا (ا)، و (اا)، و (ب ا)، و (ج)؛ خزاں (م ک) +

تر ہمچو آسیا نشد از آب نانِ ما — از تشنگی ست خشک زبان در دہانِ ما

آگہ نشد طبیب ز دردِ نہانِ ما — این نبضِ ما خموش تر ست از زبانِ ما

گوئی کہ در تنورِ فلک قحطِ ہیزم ست — تا اشتہا نسوخت نشد پختہ نانِ ما

از بسکہ وصفِ چشمِ سیاہِ تو کردہ ایم — گردید میلِ سرمہ زبان در دہانِ ما

از صیدگاہِ دہر نگشتیم نا امید — زاغ کمانِ ماست شکارِ کمانِ ما

موی سفیدِ ماست ہمہ گردِ آسیا — شد قوتِ آسیای فلک استخوانِ ما

کس را ز دامِ صحبتِ مردم نجات نیست
عنقاست گوشہ گیر غنی در زمانِ ما

اگر میدید باہم اتحادِ بلبل و گل را — مصوّر میکشید از رنگِ گل تصویرِ بلبل را

گر از ناآشنائی چرخ سازد زیرِ پل غرقم — ازاں بہتر کہ بینم روی یاران سرِ پل را

خیالِ نازکم را نیست تابِ ناخنِ دخلی — غنی ہرگز نباشد طاقتِ نشتر رگِ گل را

بہر دم میکند نرگس ز ہر جانب اشارتہا — کہ فصلِ گل بچشمِ کم نباید دید گلشن را

سوادِ کعبہ کے منظورِ اربابِ نظر باشد — بسنگِ سرمہ حاجت نیست ہرگز چشمِ روشن را

چو استعداد نبود کار از اعجاز نکشاید — مسیحا کے تواند کرد روشن چشمِ سوزن را

بود از سینہ بیرون کردنی آن دل کہ سنگین ست — دلیلِ راہِ خود گرداں دریں وادی فلاخن را

بی نشانی دارد آزاد از بلا وارسته را	دام باشد نقشِ پای خویش صیدِ جسته را
قید از عشّاق وا[1] از معشوق آزادی خوش است	صرفِ دامِ بلبلان کن رشتهٔ گلدسته را
در نگه رُستنِ مضمونِ رنگین لطف نیست	کم دهد رنگ ار کسی بندد حنای بسته را
دفع شد وسواسِ خاطر از نمازِ با حضور	ما بدستِ بسته وا کردیم قفلِ بسته را

بی تو هر شب تا سحر دارد غنی سوز و گداز
شمعِ بالین شاهدِ حال است این دلخسته را

چسان کنم دمِ بسمل بلند افغان را	ز سرمه کرد سیه تاب تیغِ مژگان را
کدام باز ندانم در آشیان بند است	که هست حکمِ پرِ کاه بالِ مرغان را
غنی ز فاقه چو[2] بندیم بر شکم سنگی	گمان برند که داریم در بغل نان را

پیش بین بر خصم در تدبیر سبقت میبرد[3]	خواب تا چشمت نه بندد به که بندی خواب را
ساغرِ برگشته بختان را نصیب از باده نیست	نیست غیر از آب در پیمانه‌ها دولاب را
ما بزمی جان ز دستِ سخت گیران میبریم	بیمِ سُفتن نیست[4] چون دُر قطره‌های آب را

---

[1] در (م ک) [2] اگر ز فاقه به بندیم بر شکم سنگی (م ک) اما این جا مصرعهٔ مندرجه (اب) (ا ج) اختیار کرده شد [3] میکند (اا) [4] "هست" (اا)

دید تا سرگشتگیهای مرا در بحرِ عشق
آب میگردد ز خواهش در دهان گرداب را

سفر چگونه کنی از دیارِ خاطرِ ما | که دامنِ تو بگیرد غبارِ خاطرِ ما
ز بزمِ می بروای محتسب[1] که دستارت | چو پنبه سرِ مینا ست بارِ خاطرِ ما
چو میلِ سرمه برآمد ز چشمِ جانان گفت | که سیر میکده شوید غبارِ خاطرِ ما

امروز منم شهرهٔ عالم ز نحیفی[2] | عمریست که از ضعف فتادم بزبانها
گو یارِ مخوان نامهٔ ما را که خود از شوق | آید بسخن صفحه چو اوراقِ زبانها
کج را بتکلف نتوان راست نمودن | کی تیر توان ساختن از چوبِ کمانها
گشتم بهوای دمِ شمشیر بتان خاک | از سنگِ مزارم تبر اشد فسانها
عمریست که از شوقِ خدنگِ تو بهر سو | در دشتِ هوس خاک نشیند نشانها
از یادِ بتان تا نرود قتل غنی زود
بست از رگِ جان رشته بر انگشت سنانها

شب که سازد غمِ آغوشِ تو بیتاب مرا | گر بود فرش ز مخمل نبرد خواب مرا
تا زبان چون قلم از کام بیا مدبیرون | یکدم این چرخِ سیه کاسه ندا داب مرا

---

[1] پارسا (۱)، و (۱۱)   [2] نیم (۱)، +

سوی مسجد ند ہد نفسِ بدم راہ ہنوز — گرچہ از بارِ گنہ ساخت چو محراب مرا
آبِ تیغت چو گذر در دلِ مجروح کند — بخیہ چون موج شود زخم چو گرداب مرا

دہر ناامن چنان گشتہ کہ چون مردمِ چشم
تا درِ خانہ نہ بندم نبرد خواب مرا

جانزا بکویِ دوست روان میکنیم ما — یعنی کہ کارِ عشق بجان میکنیم ما
مطرب گر آرزوی تو فریادِ ما بود — مانندِ نے بدیدہ فغان میکنیم ما
مشہور در سوادِ جہان از سخن شدیم — ہمچون قلم سفر بزبان میکنیم ما
نتوان چو زاہد از رہِ خشکی بکعبہ رفت — کشتی بہ بحرِ بادہ روان میکنیم ما

مارا چو شمع مرگ بود خامشی غنی
اظہارِ زندگی بزبان می کنیم ما

یک سحر از درم اے دولتِ بیدار بیا — روزم اے ماہ شدہ بیتو شبِ تار بیا
حلقۂ در بنگر رخنۂ دیوار ببین — چشم در راہِ تو دارد در و دیوار بیا
عذر در راہِ وفا پیش نخواہد رفتن — بر سرِ عذر بیا بر سرِ رفتار بیا

زنقشِ پایِ تو گل ہا شگفتہ قالی را — نہال ساختہ سروِ قدت نہالی را
فراغتے بہ نیستانِ بوریا دارم — مباد راہ درین بیشہ شیرِ قالی را

نمیشود سخنِ پست فطرتان مشهور   بلند نیست صدا کاسهٔ سفالی را

ز تخته بندیِ چوبِ قفس شدم محتاج[1]   دگر علاج ندیدم شکسته بالی را

غنی اگرچه فقیرست همتے دارد

فشانده است بکونین دستِ خالی را

بر زمین پیوسته می بینیم زلفِ یار را   کے رود از سر هوای خاک بیرون مار را

تا تو رفتی رفت از کف نقدِ عیشِ دلنواز   باده در دست است دائم بے تو موسیقار را

سخت دل کے میرساند پیر و خود را بکام   آبِ پیکان تر نمیسازد لبِ سوفار را

کوهکن گر جنگ با خارا کند بیهوده نیست   در دلِ اغیار نتوان دید نقشِ یار را

تا کے اے بیرحم چشمِ خویش می بندی ز ما   طاقتِ بستن نباشد مردمِ بیمار را

باده نوشان را غنی از آتشِ دوزخ چه باک

شعلهٔ شاخِ گل بود مرغانِ آتش خوار را

فتد در خانهٔ زین چون گذار آن لعبتِ چین را   پر پروانه سازد شمعِ حسنش دامنِ زین را

بهم شیر و شکر آمیز شے دارد نمیدانم   که ره چون بست در چشمِ سفیدم خوابِ[2] شیرین را

کجا اهلِ ریا را آگهی از دردِ دین باشد   که خوانند از پیِ فوتِ نماز این قوم یاسین را

غنی تارِ نفس چون رشتهٔ گلدسته میگردد   زبانم گر بتقریر آورد اشعارِ رنگین را

---

۱ بر (اا) + ۲ آب (م ک) +

میکند روشن خیالِ مهرِ رویش سینه را | عکس می بخشد جلا چوں ماه این آئینه را
دیدم از چاکِ گریبانش صفای سینه را | من گماں بردم که دارد در بغل آئینه را[1]
خاطرِ غمّاز زیرِ بارِ کلفت بهتر است | سدِّ راهِ عیب جوئی گشت زنگ آئینه را
همچو بیدرداں نسازم چشم بر مرهم سیاه | مشک می پاشم برنگِ لاله داغِ سینه را

چوں غنیؔ هر کس که دم از خاکساری میزند
می تواند کرد روشن از نفس آئینه را

اعتمادے نیست بر گردوں که در وقتِ بنا | ریخت معمارِ قضا رنگ از شفق این خانه را
طبعِ آں شاعر که شد با طرزِ دزدی آشنا | معنیٔ بیگانه داند معنیٔ بیگانه را
چشمِ عاشق روشن است از پرتوِ دیدارِ دوست | شمعِ نخلِ وادیِ ایمن بود پروانه را
عاشقاں را میشود بختِ سیه ظلِّ هما | شعله بر سر افسرِ شاهی بود پروانه را[2]

فروغِ شعلهٔ ادراک در پیری است کم پیدا | بود ایں معنی پنهاں ز شمعِ صبحدم پیدا
ز خطِّ لب نمیگردد دهانِ آں صنم پیدا | که پنهاں است مضموں گرچه میباشد رقم پیدا
شود از خطِّ پشتِ لب دهانِ آں صنم پیدا | بسانِ معنیٔ پنهاں که گردد از رقم پیدا
بدورِ آں دهن گردید خطِّ بے قلم[3] پیدا | نشد هرگز چنیں خطِّ خوش از کتمِ عدم پیدا

---

۱ ایں شعر فقط در (ب ح) یافته میشود ۲ ایں شعر فقط در (ب ا) دیده میشود ۳ خطِ بے رقم (ا ا، د) (ج)

خوش آن سالک که گیرد پیش راهِ بی‌نشانی را   رود بر آب تا نبود از و نقشِ قدم پیدا

قلم باشد بجایِ شمع بزمِ اهلِ معنی را   بود این معنی از تاریکیِ پایِ قلم پیدا

نمی‌باشد مخالف قول و فعلِ راستان باهم   که گفتارِ قلم باشد ز رفتارِ قلم پیدا

بدست از زلفِ او تا سرخطِ دیوانگی دارم   چو کلکم شکلِ زنجیر است از نقشِ قدم پیدا

غنی تا چند پرسی دستگاهِ اهلِ دنیا را

که باشد وسعتِ آن از حصارِ جامِ جم پیدا

بیهوجه مدمن جاهلِ ما که ز استاد   از همّتِ عالی نگرفتیم سبق را

جز وصفِ سرِ زلفِ تو در نسخهٔ ما نیست   مسطر مگر از شانه کشیدیم ورق را

دامن بمیان بر زدهٔ از پیِ قتلم   ای شوخ مگر دادن دگران ناز ورق را

اشک از غمِ افزونیِ روزی نفشانیم   این سیل مبادا ببرد سدِّ رمق را

ساقی بجام ریز میِ پرتگال را   ماهِ تمام ساز بیک شب هلال را

تا رزق خود رسد بدهانت چو آسیا   دایم خموش دار زبانِ سوال را

نبود گلِ تواضعِ دشمن بجز گزند   پابوسِ تیشه افگند از پا نهال را

چشمِ فلک که می‌پرد از شوقِ ابروت   بر دیده می‌نهد پیِ کارِ هلال را

تن ساختنه پابند درین مرحله جان را — ساکن کند آمیزشِ خاک آبِ روان را

آن شوخ چو در مکتبِ بیداد در آید — مدّ و الفے می شمرد تیر و کمان را

شد روشنم از شمع که در بزمِ حریفاں — خاموش شدن مرگ بود اہلِ زبان را

جز آبلۂ پایِ من امروز درین دشت — بنود جرسے[۱] قافلۂ ریگِ روان را

مفلس نبرد بہرہ ز پہلوی توانگر — کے تیر پرِ خویش دہد زاغ کماں را

ہر کہ پابندِ وطن شد میکشد آزارہا — پایِ گل[۲] اندر چمن دائم پرست از خارہا

ہیچگہ از سینۂ صد چاکِ یا یاد نکرد — گر چہ بستم رشتہ بر انگشتِ سوزن بارہا

تا بروی گل نیفتد چشم بیروں ماندگاں — بست بلبل آشیان در رخنۂ دیوارہا[۳]

از حسابِ حاصلِ کشتِ[۴] جنوں غافل نیم — کردم از انگشتِ پای خود شمارِ خارہا

بر تواضعہای دشمن تکیہ کردن ابلہی ست — پابوسِ سیل از پا افگند دیوارہا[۵]

زاں لبِ[۶] میگون غنی را بادہ دہ سر بمہر
کز سرش بیروں رود بادِ ہمہ پندارہا

---

۱ جرسے بنود (م ک)، ۲ پای گلین در چمن (ا، و ۱۱، و د ج)، ۳ این شعر فقط در (۱۱) یافتہ میشود۔ ۴ دشت (ا)۔ ۵ دیوارہا، برطبق (ا) میباشد اما در بعضی از نسخہ ہای دیوان غنی دیوار را، ہم دیدہ میشود و اینجا غزل ہم طرح شامل این شعر است۔ ۶ در (م ک، و د ج) این مقطع درج نیست +

در عمر بس بود دمِ سردے غذایِ ما — سوزد زبانِ گرم چو صبح اشتهایِ ما[1]

در فقر هیچکس نبود آشنایِ ما — ننشست غیر گرد کسے در سرایِ ما

از روزگار روزیِ ما جز شکست نیست — سنگِ فلاخن است مگر آسیایِ ما

زان پیشتر که دانه ز خرمن جدا کنند — سوراخ مور شد دهنِ آسیایِ ما

کاهیده است بسکه تنِ ما ز قیدِ عشق — طوقِ گلویِ ما شده زنجیرِ پایِ ما

مشکل بود گرفتنِ چیزے ز تنگ چشم — نگرفته است بخیه ز سوزن قبایِ ما

تا کرده ایم در رهِ شوقت قدم ز سر — آتش بود ز داغ جنون زیرِ پایِ ما

در علم فقر هر که شد استاد چون غنی
بر داشت نسخه از ورقِ بوریایِ ما

بچشم آب ورنگے نیست خوانِ پادشاهان را — که دارد کاسهٔ درویش نعمتهایِ الوان را

نگاهِ تیز مے بینم بسویِ او غزالان را — نگه دارد خدا ازچشمِ بد آن تیغِ مژگان را

کس از پروردهٔ خود در جهان طرفے نمی بندد — بتارِ نال کے دوزد قلم چاکِ گریبان را

مگر آن شاهِ خوبان کرد مصرِ حسن را غارت — که باشد بر جبین داغِ غلامی ماهِ کنعان را

نباشد بے سرِ زلفت سرِ بوئیدنِ مشکم — که بویِ نافه باشد می بینی بید ماغان را

---

[1] در (۱۱) دریں طرح دو غزلِ جداگانه میباشد که اینجا بصورت یک غزل ترتیب یافته - در (۱۱) شعر ذیل یافته نمیشود
مشکل بود گرفتنِ چیزے ز تنگ چشم — بگرفته است بخیه ز سوزن قبایِ ما .

زبس عقلی چو طفلِ اشک نیک از بد نمیدانم — سرِ پستان تصوّر میکنم گوی گریبان را

توکّل پیشه را روزی بدستِ خویش میباشد — مکد انگشتِ خود کودک چو نبود شیر پستان را

بجز آزار از همسایهٔ بد کس نمی بیند

غنی استادگی از لب گزیدن نیست دندان را

[1] بر برش زیرِ بارِ خود در آور ساده لوحان را — بیفشان سیم و زر چندانکه بر دارند دامان را

ز دست اندازِ دشمن نیست غم خلوت گزینان را — که هم آستین نبود چراغِ زیرِ دامان را

به بیداری خیالِ زلفِ خوبان میکند شب ها[2] — زبس پیوسته بیند چشمِ من خوابِ پریشان را

بجو دوری ز همجنسان نشاطی گر طمع داری — چو می بینی جدا از یکدگر لبهای خندان را

برای زخمِ ما از مشک تا سازد سیه تابش — بر آهو آزماید چشمت اوّل تیغِ مژگان را

مگر زد پرتوِ خورشیدِ حسنت در جهان آتش — که برجِ آبی چاه است منزل ماهِ کنعان را

غنی تا نقشِ خط گشت از نگینِ لعلِ او پیدا

دهن شد خاتمِ انگشتِ حیرت ساده لوحان را

حاجت از حد چو رود دست دهد استغنا — قد خم حلقه چو شد کار ندارد بعصا

گرهٔ بندِ قبایت نشد از دستم وا — بندِ انگشت شد آخر گرهٔ بندِ قبا

خون بجوش آمده از ذوقِ شهادت ما را — بهر که آبی بزند تیغِ تو بر آتشِ ما

۱؎ این شعر در (ب) زیر عنوان "هجو" نقل شده است۔ ۲؎ شب را (ج) +

سرکش[1] از جای نجنبد پیٔ تعظیم کسے — شمع آسا رگِ گردن بود ش رشتهٔ پا

نفسِ[2] من شده از سوختگی خاکستر — میتوان از دمِ من آئینه را داد جلا[3]

چون مهِ نو که نگردد ز شفق بهره ور خ — ناخنِ همتِ من دست نگیرد ز حنا

چارهٔ کار بدستِ من و من بیچاره — بندِ انگشت بناخن نتوان کردن وا

بسکه بے بادهٔ گلرنگ ولی پُر دارد — کدوئ سبز نماید بنظر شیشهٔ ما

گردِ خود گرد غنی چند کنی طوفِ حرم

رهبرے نیست درین راه به از قبله نما

گرم رو مانند شمع بسکه در راهِ فنا — دور بود گر بسوزد در کفِ دستم عصا[4]

خانهٔ ما زیرِ بارِ منّتِ نقّاش نیست — نیست نقشے پیشِ ما خوشتر ز نقش بوریا

بسکه شد زنجیرِ پایم رشتهٔ حبّ الوطن — در سفر دایم چو سوزن چشم دارم در قفا

گر رسد در گوشِ من آوازِ سنگِ کودکاں — میروم از خانهٔ زنجیر بیروں چون صدا

خانه خالی کن ز اسبابِ تعلّق چون حباب — تا نیابد راه در کاشانه ات سیلِ بلا

پایِ ما در راهِ عشق از بسکه می آید بسنگ — میرسد در گوشِ من از کاسهٔ زانو صدا

از خود آرائی غنی در بندِ زینت نیستم

می پرد چوں رنگ لے واز دستِ من رنگِ حنا

---

[1] هرکس (م ک)۔ [2] "بسکه از سوختگی مشتِ نفسم خاکستر" (م ک)۔ [3] داد بآئینه جلا (ا)۔ [4] همهٔ این اشعار در (ب ا) جز و یک قطعه ہست که مشتمل بر یازده اشعار ہست۔ اشعار متروکه در آخر این نسخه تازه بعنوان قطعات درج شده اند۔

رفت مانندِ شیشهٔ ساعت — عمرِ من در نفس شماریها[1]

روزیِ ما نیست غیر از خاک — خاک بر فرقِ مالداریها

هست چون ناخنم نگین بی نقش — ننگ دارم ز نامداریها[2]

بی تکلف نفس شمرده زدن — نیست کم از نفس شماریها

گردد[3] آئینه روشن از نفست — گر زنی دم ز خاکساریها

تاک شد زنجیر پایم تا کشیدم باده را — عاقبت از دست دادم دامنِ سجّاده را

سایه[4] میگوید بگوشِ نقشِ پا در هر قدم — هیچ کس دستی نگیرد بر زمین افتاده را

یار با آئینه میگوید ز روی التفات[5] — ساده رویان دست میدارند رویِ ساده را

هر که بود[6] از می پرستان شد مریدِ من غنی — تا بر آب افگندم از دامان تر سجّاده را

هلال نیست که ناخن زدست بر دلِ چرخ — نوشته مصرعِ ابرویِ او بآبِ طلا

خلل پذیر شد از ضبطِ گریه نورِ نگاه — ز آستین گله دارد چراغِ دیدهٔ ما

عبادتی بجهان به ز خاکساری نیست — به از وضوی عزیزان بود تیمّمِ ما

---

۱ (اا)، شامل این غزل نیست امّا در (رب، وام ک) این غزل وجود دارد. ۲ مالداریها (م ک) +
۳ گشت آئینه روشن از نفسش + زد غنی دم ز خاکساریها (چ)، و (ل)، ۴ این شعر را محمد ابن دالب کشمیری در یک بیاض موسیقی دریافته. ۵ آب وتاب (اا). ۶ کسی (اا) +

به بختِ تیره گر نیم ز سرد مهریِ چرخ ۔ مباد سایه نشین کس بموسمِ سرما

معذورم ار ز خانه نباشد خبر مرا ۔ آمد چو اشک پیش بطفلی سفر مرا
کس وقتِ نزع بر سرم از بیکسی نبود ۔ شرمنده ام ز عمر که آمد بسر مرا
آزرده[1] ام ز دیدنِ مردم عجب مدار ۔ گر اوفتاد مردمِ چشم از نظر مرا

توسنِ تو رساند فلک[2] شتاب مرا ۔ نمیرسد بزمین پای چون رکاب مرا
به بحرِ پُرخطرِ عشق چون کشایم چشم ۔ که چون حباب نگاهی کند خراب مرا
چو من به بحرِ تجرّد کس آشنا نبود ۔ یکی است پیرهن و پوست چون حباب مرا

گرد سر با نامهٔ آن ماه قاصد راه را ۔ ای کبوتر پُر مکن از اشکِ حسرت چاه را
عشق بر یک فرش نشاند گدا و شاه را ۔ سیل یکسان میکند پست و بلندِ راه را
کاسهٔ خود پر مکن[3] زنهار از خوانِ کسی ۔ داغ از احسانِ خورشید است بر[4] دلِ ماه را

صفای حُسنِ بتان می تراود از دلِ ما ۔ بآب آئینه گوئی سرشته شد گلِ ما

---

[1] آسوده (ا)، [2] اگر (ا،ا)، [3] کاسهٔ خود پر مکن از خوانِ احسانِ کسی (ا)، [4] در (ا)

چنان بیادِ سرِ زلفِ او گرفتاریم — که غیرِ خانهٔ زنجیر نیست منزلِ ما
شدیم خاک زبس در خیالِ عارضِ او — سزد اگر گلِ خورشید روید از گلِ ما

گلِ آمیزشِ[۱] منعم مدان جز داغِ محرومی — نسازد آبِ دریا سبز هرگز خارِ ماهی را
هوا از گفتگوی سردِ ناصح چون خنک گردد — توان از آتشِ می سوختن این زنگِ کاهی را
غنی از دولتِ دنیا نگردد عیب کس زائل — که زر نتواند از روی محک بردن سیاهی را

نجات از قید و محنت نیست اربابِ تلوّن را — بلی بیخار هرگز کس نه بیند پای گلبن را
نیفتد کارسازان را بکس در کارِ خود حاجت — بخاریدن نباشد احتیاج پشتِ ناخن را

اضطرابی طرفه در راهِ فنا داریم ما — چون سپند از شوقِ آتش زیرِ پا داریم ما
روزیِ ما میشود آخر نصیبِ دیگران — طالعِ برگشته همچون آسیا داریم ما

هشیار درین نشه دمی نیست دلِ ما — گویا که می و لای میست آب و گلِ ما
زخمم[۲] اثرِ مرهمِ کافور ندارد — نقشِ پرِ طاوس بود داغِ دلِ ما

---

۱ گل از آمیزش (۱۱)، ۲ چشمم اثر از (ج)، و (۱۱)، و (ب ۱)۔ زخمم اثر از (۱) +

نقصانِ ما بود گلِ حسنِ کمالِ ما — از برگِ خود چو شمع بسوزد نهالِ ما
ما را ز آفتابِ قیامت غنی چه باک — دوزخ تر است از عرقِ انفعالِ ما

خبر می آورد گاہے ز کوی دوست مجنون را — سگِ لیلی ازین ره خوشتر از آهوست مجنون را
مگر زد خندهٔ دندان نما بر روی سگِ لیلی — که از شادی نگنجد استخوان در پوست مجنون را

غیر زلفت که پریشان شده در ماتمِ ما — نیست آشفته دلے خاک نشین در غمِ ما
نفسِ ما شده از سوختگی خاکستر — سزد آئینه اگر صاف شود از دمِ ما

میکند ویران تموّل خانهٔ معمور را — انگبین سیلاب باشد خانهٔ زنبور را
چون بر آرد دست چرخ از آستینِ انقلاب — کاسهٔ دریوزه سازد چینیِ فغفور را

کوی جانان که هست جان انجا — کعبه شد سنگِ آستان انجا
گلشنِ حسن را تماشا کن — که دمد سبزه در خزان انجا

---

۱ خیر دل، +

بے نیازی از سخن هرگز نباشد گوش را
بے ترشحی حاصلِ از نغمت نشد سرپوش را

در سرِ شوریده ام یکسو هوای ساز نیست
خوشترم از آوازِ دف دائم صدای گوش را

سرو هر گه به بستان لشکرِ بیداد را
دستبردِ زلفش از پا افگند شمشاد را

عاشقاں روزِ شهادت خسروِ وقتِ خود اند
تیشه بر سر افسرِ شاهی بود فرهاد را

تا رقم زد خامه وصفِ قامتِ محبوبِ ما
جز الف حرفے ندارد کاغذِ مکتوبِ ما

تا بچشمِ آں تغافل پیشه میشد آشنا
کاش بودے برگِ نرگس کاغذِ مکتوبِ ما

دل همان به که بآرام رساند خود را
چون نفس تا دمِ آخر نه دواند خود را

محرم ست آئینه و آب ز عکست محروم
آب خواهد که بآئینه رساند خود را

نباشد طاعتے مقبول غیر از فکرِ او ما را
نیاید جز به محرابِ گریباں سر فرو ما را

چو بندد راهِ بیروں رفتنِ جاں بهرِ دلسوزی
بوقتِ نزع گیرد تنگ بختِ بد گلو ما را

جهان تمام مسخّر ز جام شد جم را — بگیر جام که خواهی گرفت عالم را

غنی چرا صلهٔ شعر از کسی گیرد — همین بس است که شعرش گرفت عالم را

نیست حاجت که بگیرند بزر آئینه را — می‌دهد رنگ زخم زده به سپر آئینه را

ساخت در پردهٔ زنگار نهان چهرهٔ خویش — کرد تر شرمِ رخِ یار مگر آئینه را

آزاده‌ام ز قیدِ زمین چون نهالِ شمع — بردم فرو به آب و گلِ خویش ریشه را

از لطفِ می چو سرو و گل آیند در نظر — هر چند ریزه ریزه کنی جام و شیشه را

ز شوخی بسکه در پرواز بینم هر نفس گل را — چو بلبل میتوان کردن ز گلبن در قفس گل را

ز شوقِ گوشهٔ دستارِ او از بسکه بیتاب است — پرد مانندِ شبنم هر نفس چشمِ هوس گل را

فارغ بود از آفتِ گیتی دلِ روشن — از برق زیانی نرسد خرمنِ مه را

چشمِ تو بمن خواست که پیغام فرستد — گرداند زره چون مژه از ناز نگه را

ے خواهد (۱۱) +

تا تو رفتی کس دگر ننشست در پهلوی ما — رنگ با این اختلاط آخر پرید از روی ما

ضعف طالع بین که آخر همچو عکس آئینه — چهره شد با ما اگر رنگی پرید از روی ما

گر کند تار نفس را رشتهٔ سوزن مسیح — کی تواند دوخت زخم سینه چاکان ترا

بیدلان را گاه گاهی میتوان دادن دلی — ایکه ایزد صورت دل داد پیکان ترا

ز پهلوی ضعیفانست گرمی پشت سرکش را — پر کاهی که بینی بال پرواز است آتش را

چه باک از زاهدان خشک میخواران سرکش را — که موج بوریا از پا نمی اندازد آتش را

[1] خوش آن سالک که گیرد پیش راه دلستانی را — قلم باشد بجای شمع بزم اهل معانی را [2]

بنا محرم نشاید گفت اسرار نهانی را — به پیچیم چون قلم در نامه پیغام زبانی را

چرا خم گشته میگردند پیران جهاندیده — مگر در خاک میجویند ایام جوانی را

خاک پای همه کس [3] هر که شد از روی نیاز — میکند همچو زمین زیر و زبر گردون را [4]

---

۱ این شعر در (ا) دیده میشود + ۲ این شعر فقط در (ب ح) وجود دارد +
۳ این دو بیتی در (ا) و (ج) یافته میشود + ۴ میکند زیر و زبر همچو زمین گردون را (ا) +

معنی از طبعِ غنی سر نتواند پیچید | بسته دادند باو روزِ ازل مضموں را

بمنزل میرساند کشتیِ مَی کاروانے را | برد یکدم ازیں عالم بآں عالم جہانے را

از ناز چو پوشی رخِ آئینہ نما را | چوں قبلہ نُما چشم پرد آئینہ ہا را

سخن مُہرِ خموشی بر نمیدارد زبانش را | کہ لب چوں غنچہ پنہاں نیست از تنگی دہانش را

ندید[1] کس کمرِ تنگِ دلستانِ ترا | مُصوّر از برِ خود میکشد میانِ ترا

خوشم کہ ضعف چناں کرد روشناس مرا | کہ چشمِ آئینہ مژگاں کند قیاس مرا

نتواں برد ز دشمن بتواضع جاں را | قامتِ خم نہ رہاند ز اجل پیراں را

مشاطہ[2] خوں مکن جگرِ مشکِ ناب را | نشتر مزن بشانہ رگِ آفتاب را

۱؎ این شعر و دو شعر مابعد در "گلستان مسرت" بغنی منسوب است۔ ۲؎ در "شمع انجمن" این شعر بنومی اصفہانی منسوب است +

ز دردِ عشق ضعیف ست بسکه پیکرِ ما ‌ ‌ ‌ ‌ شود به تیغ گریبان جدا ز تن سرِ ما

تشنهٔ پابوسِ خود زین بیش مگذار آب را ‌ ‌ ‌ ‌ ای نهالِ باغِ حُسن از خاک بردار آب را[1]

گریهٔ عجز ملایم کند آن سرکش را ‌ ‌ ‌ ‌ آب بر خاک زند سرکشیِ آتش را

بسکه برد از هوش فکرِ آن رخِ نیکو مرا[2] ‌ ‌ ‌ ‌ هست در پیشِ نظر آئینهٔ زانو مرا

خلل پذیر شد از ضبطِ گریه نورِ نگاه ‌ ‌ ‌ ‌ ز آستین گله دارد چراغِ دیدهٔ ما[3]

محنت کجا ز سردیِ دی میکشیم ما ‌ ‌ ‌ ‌ از سنگ شیشه آتش می میکشیم ما

بیا بلبل ببین در پردهٔ گل آفتابی را ‌ ‌ ‌ ‌ چرا از سادگی محبوبِ خود کردی نقابی را

---

[1] و [3] فقط در (١١)، دیده میشود + [2] زیبا (١١)، سهو کاتب باشد +

همچو سوزن دائم از پوشش گریزانیم ما　　جامه بهرِ خلق می دوزیم و عُریانیم ما

تا بختِ واژگون شد معمارِ خانهٔ ما　　گردید چون کمان کج دیوارِ خانهٔ ما

آتشِ مَی تیز سازد شعلهٔ آواز را　　بر کدوی باده باید بست تارِ ساز را

خرقِ عادت کے بکار آید دلِ افسرده را　　گر رود بر آب نتوان معتقد شد مرده را

تا تو[1] رفتی مے ندارد کار با مینای ما　　از کدوی سبز فرقے نیست تا مینای ما

می پرد از اشتیاقِ سیل اے معمارِ ما　　برگِ کاہے نه بچشم رخنهٔ دیوار را

بر سرِ غیرت چو دید آن ابروی خونریز را　　کرده ماهِ نو سپر از بیم تیغِ تیز را

درِ دلدار واکردم رقیبم شد دوچار آنجا　　ز دم نقبے برون آمد بجای گنج مار آنجا

---

[1] "بادهٔ عشرت ندارد کار با مینای ما" (۱) +

خمارِ صاف از دُرد[1] بهرِ تو کرد می را — آورد شوقِ لعلت بیرون ز پرده می را

زورِ می تا هست کی افتاده میباشیم ما — همچو خُم در گور هم استاده میباشیم ما

تابوتِ مردهٔ دوشِ هشیار کرد ما را — پای بخواب رفته بیدار کرد ما را

هست زهرِ آبِ فنا صهبای ما — زهرهٔ شیران بود مینای ما

رنجی گر ز طبعم در شکایت جسته معنیها — اگر خواهی به پشت میفرستم بسته معنیها

کند گر خودنما چون مه سوادِ صفحه را روشن — بگردون میرساند دعوی صاحب کمالی را

خویش را باکه بسنجیم غنی در سبکی — نیست جز سایهٔ خود سنگِ ترازو ما را

---

[1] امروز (ا) +

بسکه بی زلف بتاں دست زدم بر زانو | صورتِ شانه نگرفت آیینه زانوی ما [1]

حسن و جمالِ ذاتی است دشمن زیب عارضی | سرمهٔ غبارِ خاطر است چشم سیاهِ یار را

صیّادِ ما چو ترکش پُر تیر می کند | در یک قفس اسیر کند صد پرنده را

شمع فانوس نیم لیک ز بی سامانی | غیر دیوارِ سرا پیرهنی نیست مرا

از وارستگی پیوسته همچون گردباد | خانه بر دوشم نمی باشد غمِ منزل مرا

پیرو ما شو که همچوں خامه در راهِ سخن | پی بمعنی میتواں بردن ز نقشِ پایِ ما

صاحب سخن نجنبد از بهرِ قوت از جا | دایم بخانهٔ خود روزی رسد زبان را

نیست بادی در جهاں سنگین تر از بارِ وجود | پشت خم شد زندگی [2] امّا بسر بردیم ما

---

[1] زانوها (۱۱) و (ل) و (م ک) + [2] زندگانی تا- (ا) و (۱۱) +

شبِ فراق نوای آفتابِ عالمتاب　　بپا لب است چو گردون ز داغِ سینهٔ ما

پیریم نیست چیرهٔ زرباف بابِ ما　　دستارِ نقره باف ز مو بسته ایم ما

چون شکستِ دست و پایم مرہمے دیگر نداشت　　عاقبت بر خویش بستم تختهٔ تابوت را

زنهار چشمِ خود را بر دستِ کس ندوزی　　خالیست کیسه از زر پوستهٔ آستین را

بمیلِ سرمه ماند پیشِ آن مه شمعِ کافوری　　بیا پروانه روشن ساز امشب چشمِ غیرت را

مگذار از قلمِ تقدیر پا بیرون　　سرِ مشقِ خویش ساز خطِ سرنوشت را

وضعِ ملایم بود تیغِ زبان را سپر　　تیره نسازد نفس آئینهٔ آب را

تا دم از همسریِ زلفِ تو زد　　مے گزد مار زبانِ خود را

شده چشمِ سگانِ کوی جانان چار از شوقش   بچشمِ کم نه بینید[۱] ای رقیبان استخوانم را

با سیه بختان بتان را التفاتی دیگر است   میکند خورشید و مه آئینه داری سایه را

اشعارِ آبدارم تا شد محیطِ عالم   انداختند در آب باران سفینه ها را

بسترِ[۲] عشق است اینجا مردے باید جگر   گر همه شیر است افتاده است بر قالینِ ما

شود آسوده گر یکجا کند دیوانه پا قائم   نباشد هیچ بیم از سنگِ طفلان بیدِ مجنون را

پروانه گو بمیر ز غیرت که شمع را   روشن کنند خلق به خاکِ مزارِ[۳] ما

امشب نفسے زمزمهٔ داشت مُغنّی   نے کرد بلند این سخنِ زیر لبی را

---

۱ مبینید (ا)، ۲ این شعر فقط در (ب ح) وجود دارد. ۳ مزارها (ا ا) و (ا)

تا توانی عاشقِ معشوقِ هرجائی مشو　　میکند خورشید سرگردان گلِ خورشید را

گرد کین شد دوستان را سدِّ راهِ التفات[۱]　　سینه صافی کو کزو روی دلے بینیم ما

در موسمِ بهار چو نرگس ز شوقِ می　　سر میکشد ز گردنِ مینا پیاله ها

صورتِ معشوق هر جا جلوه گر گردد خوشست　　کوهکن داند به از آئینه سنگِ خاره را

کلبه ام را طاقتِ بارِ گرانِ بام نیست　　چون کمان بیرون کنم از خانه چوبِ تیر را

مرگ گوارا شود موی چو گردد سفید　　لذّتِ دیگر بود خوابِ دمِ صبح را

تا وصفِ قدِ نازکِ او پیش گرفته　　حرفے بزبان غیرِ الف نیست قلم را

ملایم میشود در گفتگو هر کس که کامل شد　　که دایم پنبه باشد در دهن مینای پُر می را[۲]

---

۱ این شعر فقط در (ب ح) وجود دارد +

جامم بغیر کاسهٔ زانوی فکر نیست　　باشد خیالِ تازه شرابِ کهن مرا

تو نو نهالی و ما همچو ریشه ایم ترا　　بود ترقّیِ حسنت گلِ تنزّلِ ما

ما بادهٔ عناب ز لعلِ تو می کشیم　　باشد میِ دو آتشه آبِ خمار را

بچشمِ کم مبین در نامهٔ اعمالِ ما زاهد　　که می بارد ازین ابرِ سیه بارانِ رحمتها

بسکه جانش برلب از رنج خمارِ می رسید　　در گلوی شیشه آب از سینه میریزیم ما

گر نباشد گل بفرقِ ما چو گلبن گو مباش　　دستهٔ چون گرد باد از خار و خس بستیم[۱] ما

آدمی در عهدِ پیری بیخرد گردد غنی　　می شمارم طفلِ خود را ریخت تا دندان مرا

---

۱ داریم (ب ۱)

ردیفِ بای موحّده

از شرمِ توبه در عرقم، کو شرابِ ناب | باید متاعِ تر شده را داد آفتاب

رفتیم سوی یار و ندیدیم روی یار | مانند رهروے که رود رو با آفتاب

تا کے فریبِ هستیِ موهوم می خوری | نتوان چو عکسِ آئینه شد غرق در سراب

در حشر شد بر اهلِ گنه ابرِ رحمتے | انداختم چو دامنِ ترا با آفتاب

خوش دولتے ست فقر که در کنجِ انزوا | فرش نی ست[1] سایه و فرّاش آفتاب

هر کس که داد تن به بلا ایمن از بلاست | ویران کجا ز موج شود خانهٔ حباب

گر خامه را ز کام برآید زبان چه دود | شد بحرِ شعر خشک تر از جدولِ کتاب

تا بر نیامدست ز کامم زبان غنیؔ[2]

چرخِ سیاه کاسه چو کلکم نداد آب

آدمِ[3] خاکی ز خامی دارد از مَی اجتناب | کوزهٔ گِل پخته چون گردد نمی ترسد ز آب

هر که در راه سبکباری قدم زد چون حباب | هیچ جا پایش نلغزد گر رود بر روی آب

دخترِ رز از نگاهِ گرم افتد در حجاب | کاش اُفتادے گلِ ابرے بچشمِ آفتاب

هست میلِ خوردنِ پان گلرخانِ هند را | عاشقان گوئی که از خونِ خودش دادند آب

نورِ حُسن از دیدهٔ تر دامناں پنہاں بود | بے نصیب از پرتوِ شمع ست فانوسِ حباب

---

۱ منت (ا، و ۱۱)، + ۲ برون (۱۱)، + ۳ آدمی (م ک)، +

جای بینائی سوادِ دیده باشد نے[1] بیاض | هیچکس در روز فیض شب نمی بیند بخواب
از خجالت بر نمیدارد چو نرگس سر ز پیش | هر کرا فصل بهاران نیست در ساغر شراب
زاهد بے آبرو گر بر لبِ دریا رود[2] | میشود موجِ حصیر از زهد خشکش موجِ آب
دامنِ مطرب مده از دست در فصلِ بهار | رشتهٔ گلدستهٔ عیشت بود تارِ رباب
سرد مهری بسکه در دلهای مردم جا گرفت | روی گرم از کس نمی بینیم غیر از آفتاب

تا غنی کرد اجتناب از می پرستانِ بیخودی
گشت عقلِ ما برنگِ نشه پنهان در شراب

هر رگِ گل رشتهٔ باشد بپای عندلیب | دام دیگر نیست حاجت از برای عندلیب
هست هر شاخِ گلے عشرت سرای عندلیب | بر زمین کے میرسد در باغ پای عندلیب
تا وزید از گلشن کوی تو بادے در چمن | باشد[3] از گل آشیانے در زیرِ پای عندلیب
گل برنگِ شعلهٔ خس هم[4] از چمن پرواز کرد | گرم تا در آشیاں گردید جای عندلیب
هیچ تخمے مینست ضائع در زمینِ پاکِ عشق | خنده های گل دمید از گریه های عندلیب
از صدای خندهٔ گل میشود روشن که نیست | هیچ صوتے دلکشاتر از نوای عندلیب
نوعروسانِ چمن مشتاقِ دیدارِ تو اند | هست در گلزارِ کویت گل بجای عندلیب
شد زمینِ شعرم از گلهای مضمون گلشنے | هست هر بیتے در و عشرت سرای عندلیب

---

[1] بے (ا) [2] بود (ا) [3] هست (ا) و (ا) [4] چمن (ا) و (ا) و (م ک)

بالِ بلبل را بجایِ دستهٔ گل بسته ایم
بردازخود بکه مارا نالهٔ هایِ عندلیب

زبیم هجر و امیدِ وصالِ آن محبوب　　گداخت خامه و بالید در کفم مکتوب
خضابِ مویِ زلیخا مگر کند یوسف　　که برده هست سیاهی ز دیدهٔ یعقوب
هوایِ گوشه نشینی اگر پذیرد[1] رنگ　　نوان بسانِ کمان ساختن خانهٔ یک چوب[2]
غنی چو صحنِ چمن در بهار رنگین ست
شبیهِ خامهٔ[3] نقاش میشود جاروب

گر برود لحظهٔ نرگس مستش بخواب　　عشوه برویش زند از عرقِ فتنه آب
گر نه صفایِ تنت هوش ربا بد چرا　　پیش دمِ صبح هست آینهٔ آفتاب

نگشت خواب هم آغوشِ دیدهٔ پر آب　　فسانه ایست که می آید از طوبتِ خواب

پر شد بدورِ لعلِ تو پیمانهٔ شراب　　ترسم دگر خراب شود خانهٔ شراب

چناں دزدیده از شمشیرِ او آب　　که شد ناسورِ زخمم چشمِ پر آب[4]

---

[1] بریزد (ب ا)، دم ک) [2] "خانه را از چوب" (ب م)، خانهٔ از چوب (ا) +
[3] خانهٔ (م ک) + [4] گرداب (ا) +

دست را کوته مکن از آستین   پای چون شد لنگ در دامان طلب[1]

نفس من شده از سوختگی خاکستر   گر شود آئینه روشن ز دم من چه عجب

مژه ام[2] بر مژه از جوش حلاوت چسپید   دیدم از بسکه بخواب آن لب شیرین امشب

ردیف تای فوقانی

در نمکزار سواد هند شادابی کم است   گر در اینجا سبزهٔ باشد ز تخم آدم است

مرده دل چون کور از آسیب دوران بیغم است   خنده باشد بر لبش گر عالمی را ماتم است

گلشن کشمیر را امسال[3] شادابی کم است   گر گل ابری نمایان است آهم بی نم است

از بدنهادی در هوای گرم میجوشد عرق   گر بود خاک رطوبت خیز خاک آدم است

در جهان نتوان نشان از سیرچشمی یافتن   چشمهٔ خورشید هم محتاج آب شبنم است

گرد غم شوید ز دلها گریه[4] در بزم سماع   هست در فریاد چشم نی که خالی از نم است

---

[1] این شعر در (ا) سهواً در ضمن مفردات تای فوقانی مندرج است +
[2] این شعر فقط در "گلستان مسرت" دیده میشود + [3] امروز (ا) + [4] باده (ج)

زردیِ رخسارهٔ عشّاق بر اهلِ تمیز
میکند روشن که عشق اکسیرِ خاکِ آدم است

مویِ سر کردم سفید امّا خیالت در سر است — اخگرِ پنهان نه این تودهٔ خاکستر است
خوابِ راحت در حقیقت مایهٔ دردِ سر است — هر که دارد این مرض پیوسته صاحب بستر است
از خدنگت مرغِ دل پهلو بترکش میزند — کز درون یکدسته پیکان و ز بیرون مشتِ پر است
گر محبّت در میان باشد تکلّف گو مباش — شیرِ مادر در حلاوت بی نیاز از شکر است
کس ز فیضِ بحرِ جودش در جهان محروم نیست — پُشتِ ماهی پُر درم مشتِ صدف پُر گوهر است
بسته شد هر چند در یک بحر معنیهای تر — معنیِ مردم حباب و معنیِ من گوهر است
ناتوان گشتیم چندان کز برای قتلِ ما — تیغِ ابروی بتان را موج جای جوهر است
داغ میباشد علاجِ زخم چون ناسور شد — دردِ بیدرمانِ ما را چاره دردِ دیگر است
با تو شیرین را نسنجد کوهکن در دلبری — در ترازو گرچه یکسو سنگ یکسو گوهر است
میکند خورشید و مه آئینه داری سایه را — با سیه بختان بتان را التفاتِ دیگر است[۱]

پیر شد زاهد و از رازِ درون بیخبر است — قدِ خم گشتهٔ او حلقهٔ بیرونِ در است
حیرتم کُشت که چون از سرِ عشّاق گذشت — آبِ شمشیر که خون ریز مرا تا کمر است

---

[۱] فقط در (الف) یافته میشود +

آب چوں نیست گذارد بدہن تشنہ عقیق | دیدہ بے نم چو شود مائلِ لختِ جگر است
زہرِ چشمِ تو چناں کرد سرایت در من | کہ مرا پوست بتن سبز چو بادامِ تر است
تیغِ خونریز کہ گردید علم از کمرت | جانفشانانِ ترا سوی عدم راہبر است
گر دہی تن بہ بلا بہ کہ نہ دزدی پہلو | کشتی از سیل بود ایمن و پل در خطر است
ناوکِ نازِ تو در دیدۂ من جا دارد | تیرِ مژگانِ ترا مردمِ چشمم سپر است

هر کہ پرسد ز غنی وجہِ شکستِ رنگم
دانم از سنگدلیہای بتاں بیخبر است

تا سرمہ داں سیاہیِ چشمِ تو دیدہ است | در چشمِ خویش میل ز خجلت کشیدہ است
سوزِ دلم چو شمع بجائے رسیدہ است | کز تخمِ اشکِ من گلِ آتش دمیدہ است
گردید رازِ عشق ز پوشیدن آشکار | دندانِ بخیہ پردۂ ما را دریدہ است
قوسِ قزح اگرچہ بگردوں کشیدہ سر | ابروی یار دیدہ و رنگش پریدہ است
یکموی فرق نسبت میانِ دو ابروت | خوش مصرعے بمصرعِ دیگر رسیدہ است
زیں بیشتر حلاوتِ شہد اینقدر نبود | زنبور دانم آں لبِ شیریں گزیدہ است
افتاد گل ز دیدہ یعقوب ہمچو اشک | دانم نسیمِ مصر بکنعاں وزیدہ است
در حیرتم کہ آئینہ امروز صبحدم | روی کہ دیدہ است کہ روی تو دیدہ است[1]

---

[1] در گلستانِ مسرت ایں شعر بہ غنی منسوب است۔

در زندگی بخواب نه بیند کسی غنی
آسایشی که دل ز پس مرگ دیده است

مگر با سرمه انت چشم آشنائیست — که کار چشم خوبان سرمه سائیست
نماز پارسا بی مطلبی نیست — سلام او سلام روستائیست
بزلف او رسیده در سیاهی — چراغ چشم خجل از نارسائیست
بگردون گر رود کاری نسازد[1] — که آه بوالهوس تیر هوائیست
بلفظ[2] چرب و نرمی روغنیست — کز و روشن چراغ آشنائیست
بسان اشک شمع از تیره بختی — گریزان چشم من از روشنائیست
ز دامش کی توان پرواز کردن — پر دیگر رنگ رو هم بیوفائیست
ز شرم[3] انگشت دارد در دهان طفل — سر پستان گرفتن هم گدائیست
جز ابروی نمانده در جبینش[4] — زبس مه بر درش در جبهه سائیست
نه بیند[5] فیض شب را روز در خواب — بیاض دیده را کی روشنائیست

غنی از ننگ نام زر نه گیرد
که نام زر گرفتن هم گدائیست

سرنامهٔ مکتوب تو سررشتهٔ کین است — سطر یکه درین نامه بود چین جبین است

---

۱ بسازد (م ک)، ۲ بلطف (م ک)، ۳ ز سر انگشت (ب ل) و (ا ا)، ۴ بر (ا ا)، ۵ نه بینی (ج)

آسوده ام از گرمیِ خورشیدِ قیامت — کز لطفِ تو هر نامه سیه سایه نشین است

بر روی زمین هیچکس آسوده نباشد — گنجے بود آرام که در زیرِ زمین است

ما زندگی از دیدنِ رخسارِ تو داریم — آخر نگهِ ما نفسِ باز پسین است

پروانه به تعظیم برد نامِ من امشب — مومے مگر از شمع مرا زیرِ نگین است

روشن بقناعت شود آئینهٔ باطن — ماهی که دل افروز بود نانِ جوین است

ساغر زدنِ سبز خطاں بے مزه نیست — صهبا کشئ ریش سفیداں نمکین است

از مرگِ عدوم شاد که آں زلفِ سیه پوش — گردید پریشاں ز غم و خاک نشین است

گرہام و درش هست یکے کے روم از جا — ویرانهٔ من هم چه کم از خانهٔ زین است

شمع و پرِ پروانه درآید به نظرها — تا پایِ نگارینِ تو در دامنِ زین است

کارے بفلک مردمِ آزاده ندارند
هر سر که دیدیم غنی خاک نشین است

بالش خوبانِ دگر از پر است — شوخ مرا فتنه بزیرِ سر است

پیشِ لبِ یار که جاں پرور است — هر که زند دم ز مسیحا خر است

مرده ام از حسرتِ آغوشِ او — جانِ من امروز کرا در بر است؟

بر لبِ خمیازه کشم در خمار — بخیه اگر هست خطِ ساغر است

بے رخت از بسکه ندارد صفا — آئینه گویا کفِ روشنگر است

آب بود معنی روشن غنی
خوب اگر بسته شود گوهرست

تا کارِ تو بیداریِ شبهایِ درازست | چشمت درِ فیضیست که بر روی تو بازست
اُفتادن و برخاستنِ باده پرستان | در مذهبِ رندانِ خرابات نمازست
می نیست چو در کاسه مرا رعشه در اعضاست | دستم بنظر پنجهٔ طنبور نوازست
چون بال کشایم که درین صید گهِ دهر | از دام همه روی زمین سینهٔ بازست
گر پردهٔ ناموسِ کس از ناخنِ مطرب | در بزم طرب پاره نشد پردهٔ سازست

چون آستین همیشه جبینم زچین پرست | یعنی دلم زدستِ نوای نازنین پرست
گل کرد استخوانِ بتن[۱] از چشم داغها | مانم بکاغذی که زنقشِ نگین پرست
هر چشمِ نی زنغمهٔ شیرین لبالب است | زنبورخانه ایست که از انگبین پرست
هر کس بدرگهِ کرمت برد تحفهٔ | مارا ز دستِ خالی خود آستین پرست
جز زیرِ خاک جای من خاکسار نیست | روی زمین ز مردم بالانشین پرست

بسکه مانندِ کمان پیکرم از پیری کاست | تا نگیرد کمرم کس نتوانم برخاست

---

[۱] استخوانِ تن (ج) +

شد شکر آب ز شرمِ سخنِ شیرینم — گر میانِ من و طوطی شکر آبست بجاست

تا نسوزد نکند میلِ بلندی چو سپند — چشمِ بد دور ازین اخترِ طالع که مراست

گر کسے مَی نخرد غم مخور ای باده فروش — این متاعیست که چون کهنه شود بیش بهاست

عمرها شد که بگردابِ جنون افتادیم — کفِ این بحرِ پر آشوب ز مغزِ سرِ ماست

حرفِ دنیا گوش کردن کارِ اہلِ ہوش نیست — مغزِ سرِ فرزانه را چوں پنبه ہائی گوش نیست

اے خوشا حالِ سبکبارے که در راهِ طلب — خانه بر دوش ست و بارِ خانه اش بر دوش نیست

گر ببزمِ مَی چراغے نیست روشن گو مباش — قلقلِ مینا که باشد شمعِ ما خاموش نیست

استماعِ دوستاں آورد مارا در سخن — پرده ہائی سازِ ما جز پرده ہائی گوش نیست

چنان بیتاب شد از اشتیاقِ کُشتنم تیرت — که بیروں چوں نگاهِ تیر رفت از چشمِ زهگیرت

پرد چوں[2] شوقِ ما مانندِ سوفار از پیِ تیرت — عجب نبود گر از خود پر برآرد چشمِ زهگیرت

بترس از زاریم اے سنگدل بیداد کمتر کن — کند چوں تیغِ کوه از ناله ام فریاد شمشیرت

چو عکسِ آئینه از جا در آید صورتِ شیریں — بسنگے گر کشد در بیستوں نقّاش تصویرت

---

۱ با (م ک) ۲ اد (۱۱) +

شعر اگر اعجاز باشد بی بلند و پست نیست — در ید بیضا همه انگشتها یکدست نیست

بحثِ کج در طبعِ شاعر منجلد فی خلِ ست — طاقتِ خارست ماهی را و تابِ شست نیست

ایدل از موجِ سرابِ تر می دشمن بترس — بهر ماهی حلقه های دام کم از شست نیست

تا سرش از بوی می شد گرم خمها را شکست — هیچکس در دورِ ما چون محتسب بدمست نیست

خاک از تیغ فراقم بجگر زخمی داشت — کفنم مرهم کافور بران زخم گذاشت

تهمتِ خانه نشینی نه پسندید بخویش — ورنه مجنون گله از سختیِ[۱] زنجیر نداشت

بر نداریم ز اشعار کسی مضمون را — طبعِ نازک نتواند سخن کس برداشت

تنش از تیر جفای تو نیستان گردید — علم شیر دلی هر که بعالم افراشت

نی چشمِ مستِ او بشکر خواب رفته است — بختِ سیاهِ ماست که در خواب رفته است

تا دیده ایم صبحِ بناگوشِ یار را — از چشمِ ما چو چشمِ گهر خواب رفته است

این نقشِ پای نیست که افتاد بر زمین — پای سلوکِ ماست که در خواب رفته است

غفلت نگشت محرمِ خلوتسرای ما — بیرون ز چشم حلقهٔ در خواب رفته است

چون آسیا مپرس ز آسایشم غنی — کز چشمِ من بگردِ سفر خواب رفته است

---

۱ تیزیٔ شمشیر (ب ۱)

معنی صاف که در قالب الفاظ بد است   هست آیینه صافی که نهان در نمد است

چه عجب گر چمن حسن ترا دارد سبز   خال نیل تو که تخم گل هر چشم بد است

گر ز دم سردی این تیره دلان آگه نیست   از چه رو جامهٔ آیینه قبای نمد است

تا شد انگشت نما طره ات از حسن قبول   شانه بر گیسوی خوبان دگر دست رد است

خاک را گل بکن از گره به غنی در پیری

حلقهٔ قامت خم قالب خشت لحد است

از نمازم نیست مطلب غیر حسرت بر روی دوست   محروم از اشتیاق افتان و خیزان سوی دوست

ماه نو تا از روی خجالت شد سپید   چون سیاهی میکند از گوشهٔ ابروی دوست

نو تیای چشم مه جز پرتو خورشید نیست   ما بنور دوست می بینیم حسن روی دوست

چهرهٔ خود گرچه ماه از چشمهٔ خورشید شست   گرد خجلت بر رخش هست از صفای روی دوست

یک نفس منشین غنی غافل ز دم گیر پیش

تا نگردی خاک هرگز بر مخیز از کوی دوست

قوت بازو نیاید بی صفای دل بکار   تیغ تا در زنگ باشد برگ کاهی بیش نیست

آتش از سوز دلم چون دود می پیچد بخویش   شعلهٔ دوزخ بچشمم برگ کاهی بیش نیست

زور بازو مرد را وابستهٔ مشت زر است   دست خالی در حقیقت آستینی بیش نیست

کم ز حیوانات باشد پیش ارباب تمیز   آدمی کز انفعال جرم سر در پیش نیست

گنبد گردون ز سوز عشق او گرمابہ ایست   موج ہر دریا ز شوقش ماہیٔ بر تابہ ایست

روی گرم اہل دنیا آفتاب محشر است   ای خنک آنکس کہ زیر خاک در سردابہ ایست

ہر کہ چون من زد قدم در راہ استغنا غنی   اطلس گردون بپای ہمتش پاتابہ ایست

بی تعب در منزل مقصود کس را بار نیست   نردبان این سرا جز راہ ناہموار نیست

تار زلف یار از چنگش مگر افتادہ بود   شانہ در فریاد امشب کم ز موسیقار نیست

رشتۂ لا از نیۂ توحید تا منصور بافت   اختلافی در میان سبحہ و زنار نیست

عنان نفس کشیدن جہاد مردان است   نفس شمردہ زدن کار اہل عرفان است[1]

مریز آب رخ خود برای نان زنہار   کہ آبرو چو شود جمع آب حیوان است[1]

بلاست نفس عنان چون ز دست عقل گرفت   عصا چو از کف موسیٰ فتاد ثعبان است[1]

معطر است دماغم ز خوردن صہبا   مگر پیالہ ام امشب سفال ریحان است[2]

---

[1] این سہ شعر فقط در (ب ۳) وجود دارد [2] در بعضی از نسخہ ہا این شعر بضمن فردیات مندرج است ولی در (ب ۳) کہ سہ شعر دیگر درین طرح یافتہ میشود این شعر وجود ندارد +

اشکِ گلگوں شرابِ گلفام است | بخیۂ آستیں خطِ جام است
بہ زمیں تار سیدہ دانستم | حلقۂ زلف حلقۂ دام است
بہر صیدِ ہمای ناوکِ او | جوہر استخوانِ من دام است

زگریہ ام نہ ہمیں چشمِ تر سفید شد است | کز آبِ دیدہ مرا موی سر سفید شد است
برنگِ آبلہ پاے در سفر مارا | ز شوقِ صبحِ وطن چشمِ تر سفید شد است
بچشمِ خود نتواں دید صبحِ پیری را | خوشم کہ دیدہ ز مو بیشتر سفید شد است

با دوست اگر دم زنم از قرب چہ دور است | کم نیستم از سایہ کہ ہمسایۂ نور است
درویش بساماں کہ رواں شد بنز دجاں | برگِ سفرِ اہلِ قناعت پرِ مور است
با مردہ دلاں چند نشینی بمساجد | خمخانہ نشیں باش کہ خم زندہ بگور است

دایم براہِ شوق جلو ریز میرود | گلگونِ اشک رامژہ ام تازیانہ ایست
خار از سخت جانیِ فرہاد ساخت رو | بر سنگِ خارہ صورتِ شیریں بہانہ ایست
غافل مشو ز عاقبتِ کارِ خود غنی | دل نہ بخوابِ مرگ کہ دنیا فسانہ ایست

دل منوّر کے شود در ظلمت آبادِ بدن | شمع را روشن میسازند تا در قالب است
زنده نتوان بود بے لعلت که مشتاقِ ترا | یا[1] لبِ شیرین تو یا جانِ شیرین بر لب است
دانۂ دامِ ملائک بر زمیں افتاده است | کس نمیداند دُرِ گوش ست یا خالِ لب است

مے پذیرد ز خموشی دلِ بے نور صفا | نفسِ سوخته خاکسترِ ایں آئینه ست
میتوان دید ز هر ذرّه فروغِ خورشید | دل[2] اگر صاف شود روی زمیں آئینه است
عاقل از نام برد پے به نشانِ همه کس | جوهرِ ذاتش اگر هست نگیں آئینه است

بسکه آزرده ام از دیدنِ مردم چه عجب | مردمِ دیده اگر از نظرم افتاد است
تکیه تا چند کنی بر نفسے همچو حباب | چشم بکشای که هستی گره بر باد است
مشتِ خارے که خلید ست بپای مجنوں | شانه شد موی سرش را که دراز افتاد است

کلبۂ ما گرچه بے روزن چو فانوس است لیک | بزمِ یاراں از چراغِ خانۂ ما روشن است
شمع میگوید باهلِ بزم با سوز و گداز | سر بُریدن پیشِ ایں سنگیں دلاں گلچیدن است
نیست جز افسوس خوردن حاصلِ کشتِ جهاں | آسیا گردانی ما دست بر هم سودن است

---

[1] با (م ک) سهو کاتب باشد [2] چشم روشن که بود (ب ۱)

میتوان زد سازِ عیش آندم که طالع[1] یافت فوت　　باشد از پای مگس مضرابِ تارِ عنکبوت
میشود پیمانه پُر از کثرتِ نعمت غنی　　خضرِ وقت است آنکه قانع شد بقوتِ لایموت

در ضطراب از شبِ تارم ستاره‌هاست　　یا در میانِ سوخته کاغذ شراره‌هاست
دلهای عاشقاں برهِ دوست آب شد　　امّا بپای نازکِ او شیشه پاره‌هاست

چهره‌اش از سبزهٔ خط گلستانے تازه ایست[2]　　در ریاضِ حُسنِ گلرویاں خزانے تازه ایست
گرچه یارا نیست چوں آئینه جز یک نانِ خشک　　هر نفس در خانهٔ من میهمانے تازه[3] ایست

در بیابانِ طلب رهگذرے نتواں یافت　　که بهر گام نشانے ز سرے نتواں یافت
گوشِ غوّاص شنید از لبِ خاموشِ حباب　　دم نگهدار کزیں به گهرے نتواں یافت

مے نماید سخنم ساده[4] ولے بے ته نیست　　از[5] تهِ چشمهٔ آئینه کسے آگه نیست
هست راهِ کمر آں زلفِ سیه را در پیش　　هیچ هندو بجهاں نیست که او گمره نیست

---

۱ طالع (م ک)　۲ است (م ک)　۳ دیگر است (ج)　۴ تازه (ج)　۵ کز (ا ا) +

چناں آں نازنین نازک دماغ است — که او را بوی گل دودِ چراغ است
ز مهرِ نامه‌اش گردید روشن — که زو هر کس که دور افتاد داغ است

هر کس شرابِ آں لبِ جاں بخش خورده است — آبِ حیات در نظرش خونِ مرده است
پروانه را ز چشمِ پرِ صبحدم چراغ — خوش سیلئی ز پنجهٔ خورشید خورده است

خدا زبانِ مرا چرب و نرمیِ داده است — هزار شکر که نامم بروغن افتاده است
بجنبِ طاقتِ من کوه سست بنیاد است — نظر بچشمِ ترم ابرِ کاغذ باد است

عاشقان را جنبشِ مژگانِ چشمِ یار گشت — عالمے را اضطرابِ نبضِ ایں بیمار گشت
تا شود قبرش زیارتگاهِ اربابِ ریا — خویش را زاهد بزیرِ گنبدِ دستار کشت

چوں[1] ز کسے در جہاں چشمِ کشایش نداشت — کارِ فرو بسته را دل بخدا واگذاشت
اہلِ دل از ترکِ خواب سیرِ فلک میکنند — عیسیِ وقتِ خود است هر که شبے زنده داشت

---

[1] چوں بخدا از کسے چشمِ کشایش نداشت — کارِ دلِ بسته را دل بخدا واگذاشت
(م ک) ولے (ا ا) و (چ) و (ب ۱) را ترجیح داده شد۔

پیوسته دلم صاف ز گردِ خطِ یار است   جاروب کشِ خانهٔ آئینه غبار است
معذور بود زاهد اگر جام نگیرد   کز دانهٔ تسبیح کفش آبله دار است

عالم از سیلِ اشکِ ما دریاست   گر غبارے بود بخاطرِ ماست
مے ولائی مے است آب و گلم   در تنم روح نشّهٔ صهباست

بے چراغ است اگر بزمِ خیالم غم نیست   مصرعهٔ ریختهٔ قسمے است که در عالم نیست
گر میسّر نشد اسبابِ نشاطم غم نیست   پیشِ من چینِ جبین از لبِ خندان کم نیست

بگذشت چون ز خونم مژگانِ یار برگشت   هر چند بر نگردد تیر از کمان چو بگذشت
در چشمِ اهلِ بینش دنیا تمام بازیست   این انجم و فلک را مانند بیضه و طشت

دانم که دلِ صاف مکدّر ز جهاں رفت   چون آبِ رواں آمد و چون ریگِ رواں رفت
قانع شو و بر خویش مکن راه طلب وا   تا سدِّ رمق هست بجائے نتواں رفت

۱؎ ابرو (۹۹) +

چه غم ازین که بطِ باده سُست پرواز است — که در گرفتنِ رنگِ پریده شهباز است

بجای بخیه زند لب که خنده بر زخم — همیشه سوزنِ بیرحم را دهن باز است

توبه از می نه کنم در پیری — می کشی در شبِ مهتاب خوش است

تا بکی تشنه خوردن باشد — تیغ را گر بدهی آب خوش است

چشمِ سفید زد دُرِ اشکِ مرا بخاک — حرفیست اینکه پنبه نگهبانِ گوهر[1] است

هر دم ببزمِ می ز سبو میرسد بگوش — دستیکه بی پیاله بود خشک بهتر است

بی می برنگِ غنچه نشستیم تنگدل — ساقی ز شاخِ شیشهٔ گل پنبه چیدنیست

رسوا شود کسی که سخن چین بود غنی — هر جا که خامه ایست زبانش بریدنیست

کی بخلقی میتوان شد باتنِ تنها طرف — ملک گیری سهل باشد گوشه گیری مشکل است

معنیٔ آرام را هرگز نفهمیدم که چیست — هرزه گردم چون قلم با آنکه پایم در گل است

---

[1] آتش (۱۱)

چنان به روی زمین نقشِ حسن نابیدست[1] — که زالِ چرخ به چشمِ بُتِ هلال ابروست

گمان مبر که گذشتست از جهان مجنون — هنوز خانهٔ زنجیر در تصرّفِ اوست

طوطیان را زبسکه کرد اسیر — دامِ صیّاد سبزهٔ چمن است

کرد قالب تهی چو دیده[2] ترا — شمع اکنون بصورتِ لگن است

پیشِ صیّاد روم بال فشان از سرِ شوق — گر بدانم غرضش ریختنِ بالِ من است

هیچگه لب نکند باز بدشنامِ رقیب — من به ننگ آمدم از یار که پُر بیدهن است

از سوزِ سخن نالِ قلم رشتهٔ شمع است — گر نامهٔ من شد پرِ پروانه عجب نیست

گو دست بشویند طبیبان ز علاجم — چون شمع عرق کردنِ من دافعِ تب نیست

قاصد چه احتیاج که طومارِ اشتیاق — چون جاده خود رسد ز درازی بکوی دوست[3]

چون شانه گشته‌ام همه تن پا ولے چه سود — راهِ گریز نیست ز زنجیرِ موی دوست

---

[1] ناپید (دم ک) [2] دیدهٔ تر (دم ک) [3] بسوی (دم ک) ۴

زاهد از مسجد، من از میخانه رسوا گشته‌ام — هر کسے را طشت از بامِ دگر افتاده است

از کنارم دخترِ رز کرد تا پهلو تهی — کارِ من اکنون غنی با طفلِ اشک افتاده است

پیر[1] بافته آیند بهم طوطی و بلبل — در مجلسِ احباب مگر گل شکرے هست

چون نامه که مردم بسفید آب نویسند — در کاغذِ این چشم سفیدم رقمے هست

اهلِ دل از ترکِ خواب سیرِ فلک میکنند — عیسیِ وقتِ خودست هر که شبے زنده داشت[2]

در بهار از بسکه جیبِ یار[3] لبریزِ گل است — آشیانِ بلبلانِ مست جامِ پر مل است

از سلوکِ صاحبِ باطن کسے آگاه نیست — میرود بر آب و نقشِ پای او در راه نیست

---

۱ تافته (۱۱) ۲ این شعر در (۱۱) وجود دارد ۳ باغ (۱۱) +

خرمنِ عمرش تلف شد هر که از کس نه گرفت — داد سر بر باد چون در شمع آتش در گرفت

شکلِ گردون گره و صورتِ اختر گره است — کارم از انجم و افلاک گره در گره است

صبا دمیکه بسودای زلفِ او برخاست — مرا ز رشک بتن همچو شانه مو برخاست[1]

مدام از حباب بست[2] ساغر بدست — شده مَی ید و دِلبت مَی پرست

دل بسکه مکدّر ز جهانِ گذران است — چون شیشهٔ ساعت نفسم ریگ روان است

ز شوقت چاکِ جیبِ غنچه ها تا دامن افتاد است — بیا کز انتظارت گل بچشمِ گلشن افتاد است

مرا چون کار با شبهای تار است — چراغم اخترِ دنباله دار است

مرا بخانه سفالے ز بینوائی نیست — خوشم که در کفِ من کاسهٔ گدائی نیست

۱؎ این شعر در (۱۱) یافته میشود ۲؎ خیال (پج) +

شمشیر او هلاکِ رگِ دل[1] بُریدن است　　　این[2] آب نیز تشنهٔ منزل بُریدن است

شب که در مدِّ نظر آن گیسوی پُرتاب داشت　　　مردمِ چشمم ز مژگان شانه را در آب داشت

نوبهار است چمن رونقِ دیگرگون یافت　　　شاهِ انجم بجهان دولتِ روز افزون یافت

دل که باشد در تنِ افسرده خونِ مرده است　　　لعل تا در سنگ باشد آتش افسرده است

تکمه نبود که سر از جیب برون آورده است　　　جامه‌ات گوی ز پیراهنِ یوسف برده است

سجده در مسجد و در میکده پیمانه خوش است　　　گریه در خانقه و خنده بمیخانه خوش است

---

[1] جاں (ب ا)، [2] این آب تشنه ایست که منزل بریدن است (ب ا) +

از برِ من رفت آں شوخ و غمِ او ماندہ است   داغ و زخمے بر دلم زاں چشم و ابرو ماندہ است

روز یکہ شانہ زلف ترا یاد کردہ است   پہلو تہی ز صحبتِ شمشاد کردہ است

کشمیر از صباحت روشنگرِ جمال است   حسنِ سیاہ آنجا گر ہست خال خال است

توشہ چینیاں را دریں مزرعِ امیدِ توشۂ نیست[1]   حاصل نہ خرمنِ افلاک جز یک خوشہ نیست

آں شوخ بقتلِ من دلبستہ میاں بست   در مرثیہ ام معنی باریک تواں بست

یار در چشم و نگہ سرگرمِ حسب و جوی او   پردہ ہای دیدہ ام گویا نقابِ روی اوست

نیک و بدِ کس گوش نکردن ہمہ ہوش[2] است   مغزے کہ بود در سرِ کس پنبہ بگوش است

مارا بغیرِ داغِ جگر در اباغ نیست   چوں لالہ دُردِ ساغرِ ما غیرِ داغ نیست

لہ در (۱۱) بجای "توشہ" "دانہ" میباشد ولے "توشہ" صحیح است ۔ ۲ہ رہ (۱۱) +

گر بودش کار گنجها بجاست | پیرِ مغان رنگ رزِ چهره ماست

ترکِ گویائی ز دخلِ نکته گیران رستن است | بستنِ لب خوشتر از مضمونِ رنگین بستن است[1]

خوابِ شیرینِ طفلِ اشک از چشمِ تر دزدیده است | تا نگه کردیم اب کودک شکر دزدیده است

سالکانِ راهِ عشق آسان ز خود بگذشته اند | تا کمانش پُل بروی آبِ پیکان بسته است

از پیِ روزی همه روزینه داران عاجزند | معنیِ روزینه گوئی سلبِ روزی بوده است

همچو آتش روشن از من بود شمعِ هر مزار[2] | منکه مُردم کس چراغی بر سرِ خاکم نسوخت

نمیکند بینِ ناتوان نگه آن شوخ | ز بیمِ آنکه بگویند ناتوان بین است

---

[1] بستن لب از سخن خوشتر ز مضمون بستن است (ب ۱) [2] هر شمع مزار (ب ۱) +

از موج کجا بستہ شود رخنۂ گرداب — بر زخمِ دلم بخیہ زدن نقش برآبست

در ہر نماز دست بزانو چرا زند — زاہد اگر ز کردہ پشیماں نگشتہ است

آئینہ شد از عکسِ رخش محملِ لیلےٰ — حق بر طرفِ اوست کہ دیوانۂ خویش است

سعیِ مُفلس کے بجائے میرسد — آدمِ بے برگ تیرِ بے پر است

در موج خیز گریۂ من تا کند[1] شنا — دریا بہ پشتِ خویش کدوئی حباب بست

بسکہ با تاریکیِ شبہای غم خو کردہ بود — عاقبت پروانہ در پای چراغ آرام یافت

سنبلِ زلف کہ در گلشنِ بزم است مشب — کہ گل شمع ز بویش گلِ شبّو شدہ است

غنیؔ زیرِ زمیں اہلِ فنا را — بود عیشے کہ بر روئے زمین نیست

---

[1] تا کند (ا ا) می کند (م ک)

از شرمِ زهدِ خشک[1] بمیخانه تر شد است　　گر بعد ازین وضو نکند پارسا رواست

چشمِ نرگس پیشِ چشمت کے تواند شد سفید　　چشمِ تو هر چند بیمار است امّا زرد نیست

تکرار میکند سخنم را بصد زبان　　هر جا که در قلمروِ عالم سفینه ایست

عاقل آن به که بود چشم براهِ مردن　　از پیِ بے بصران خواب به از بیداری است

کرد سوراخ خدنگِ تو نشان را و گذشت　　استخوانے که هدف بود کنون شست شد است

بادِ صبا بگلشنِ حسنِ تو ره نیافت　　آن غنچهٔ دهن به نسیمِ سخن[2] شگفت

تا دید سر برهنگیِ طفلِ اشکِ ما　　دریا بدستِ موج کلاهِ حباب دوخت[3]

---

۱ خویش (ب ا)　۲ سحر (چ)　۳ بست (ا ا) +

مانندِ نقشِ خاتم کز موم سر برآرد   گر تن دہی بتر می گردد بلند نامت

با آہِ جگر سوز روانم بہ رہِ عشق   شمعم کہ بجز شعلہ مرا برگِ سفر نیست

محتسب[1] خواہی کنی بیکار گر خمّار را   شیشہ ہای دانۂ انگور میباید شکست

سر رشتۂ تحریر نفہاد بدستم   جز خطِّ کفِ دست مرا دستخطے نیست

نے زبانِ خُم خبر دارم نہ از دستِ سبو   دست و پا گم کردہ چون من دریں میخانہ نیست

کسے کہ زندہ باظہارِ زندگی باشد   دمیکہ گشت زدعوی خموش گویا نیست

کشتیِ من چون بود ایمن دریں بحر اے شکست   لنگر از سرگشتگی سنگِ فلاخن گشتہ است

دم تاب بہ کمر دہم چنبہ افگن بیاحب نامست   کہ نقشِ بالِ طاؤسم نگینِ حلقۂ[2] دامست

۱۔ [illegible] اگر تو فکر کنی خمّار را (ور) ۲۔ [illegible] (ج) ، در اصل [illegible] میشود ولے در دام کہ نیست

حسنی که سفید ست ندارد مزه چندان — هم رنگ نمک هست ولیکن نمکین نیست

ز سیل اشک ما در عالم خاک — غباری گر بود در خاطر ماست

بوریا فرش من و فرش تو نگر قالین[۱] — شیر قالین دگر و شیر نیستان دگر است

پرسش وقت بذل پر زر بست — محک نقد همتش سپر است

در سماع نغمه چاک از بسکه شد پیراهنم — در لباسم غیر تار چند چون طنبور نیست

بدور کفر زلف او بهر جا زاهد خشک است — بسان مهرهٔ تسبیح زنارش در آغوش است

کس نمیگیرد خبر یکدم ز حالم در خمار — بیکسم تا نشهٔ می از سر من رفته است

---

۱ روایت عام کشمیر این شعر را به غنی نسبت میدهد و همین روایت را اعتبار کرده دلآب آن را در اینجا درج ساخته ولی آن شعر در هیچ یک از نسخه های قلمی و مطبوعه دیده نمیشود +

از بستنِ حنا چه کنی رنجه دستِ خویش	مشقِ اسیر کردنِ خونین دلان بس است
از گریه آب تیشهٔ فرهاد رنجشم[1]	چشمی که شد سفید کم از جوی شیر نیست
دست از جان شستن آسانست در شبهای هجر	میتوان چون شمع خونِ خود برنگِ آب ریخت
خلق سرگردان همه از قحطِ آب و[2] دانه اند	هر کرا دیدیم غیر از آسیا در گردش است
مردان کنند عار ز پوشیدنِ سلاح	نامرد بی سپر چو بود خیرِ بی دف[3] است
چنان ز سبزِ چمن دل شکسته ام بی می	که سبزه در تهِ پایم چو ریزهٔ میناست
گشته تا بادِ خزان پرده درِ خانهٔ ما	کاغذِ روزنِ ما کاغذِ بادی شده است
آمد بهار نرگس[5] در هر طرف بگلشن	واکرده چشم گوید جای نگاه خالی است

[1] بر دوامها (ب ا) [2] با (پ ح) و (م ک) [3] باد (پ ح) و (م ک) [4] منظر زده است (ا ا)
[5] [illegible] (ب ا) ـ

پر برآورد و بنا ورد سر از بیضه برون　　بیضهٔ بلبلِ ما بالش پر گردیده است

دستِ کوته[1] را مکش از آستین　　پای چون شد لنگ در دامان خوش است

یوسفِ مصرِ تجرد[2] داند　　پیرهن هیچ کم از زندان نیست

کند[3] در هر قدم فریاد خلخال　　که حسنِ گلرخان پا در رکاب است

رسد بگوشِ من آواز[4] هر دم از لبِ گور　　بیا که خاک ز شوقِ تو چشم در راه است

گردِ غربت بر جبین داریم چون گردباد　　ما هوای هرزه گردی بر سرِ ما خانه ساخت

گلی نشگفت نامِ من عندلیبِ این چمن گشتم　　گره از آشیانِ من بکارِ گلبن[5] افتاده است

---

[1] دست را کوته مکن از آستین + پای ما شد لنگ چون دامان خوش است + (ب ۱)

[2] شد معلوم از در باد و ضمائل (ج) [3] این حرف (۱۱) [4] بلبل (۱۱) +

ضبطِ نگه زناز مکن موسمِ گل است — بکشا تو نیز چشم که نرگس شگفته است

تا می رسد سخن بلبش سبز مے شود — زاں خطِ پسته که بگردِ دہانِ اوست

روزِ قتل از تیغِ جاں بخشِ تو سر پیچیده ایم — تا قیامت خونِ ما بر گردنِ ما مانده است

چشمِ کرم مدار ز شاہاں که جز نمد — آئینه خلعتے ز سکندر نیافته است

از مرگ فارغیم بیادِ خطِ لبت — گرد بست اینکه راهِ عدم را گرفته است

امشب که از سوزِ درونِ منضم چو تارِ شمع بود — تعویذ بر بازوی من ہمچوں پرِ پروانه سوخت [۱]

شب که از سوزِ درونِ منضم چو تارِ شمع بود — بستنِ تعویذِ من حکمِ پرِ پروانه داشت [۲]

۱؎ ایں شعر در (ج ب) و (ب ا) ہمیں طور میباشد +

۲؎ ایں شعر با شعر ما قبل شباہت دارد - مثل ایں که ہماں شعر با قدرے تفاوت و تغیر در (م ک) در صورت دو شعر مستقل نقل گردیده +

کوتاه نظر گشته‌ام از گریه تو گوئی | هر قطرهٔ اشکم گرهِ تارِ نگاه است

بگذر از خویش چو بینی دہنِ[1] یار غنی | دل بہ ہیچی چہ نہی راہِ عدم در پیش است

بے ریاضت نشود نشئهٔ عرفاں حاصل | تاکدو خشک نگردید میَ ناب نیافت

چون تو ام رہِ صحرای جنون طی کردن | بخیهٔ کفش مرا آبله پا شده است

ہر حلقهٔ زلفِ تو دہانے شده از شوق | بگذار کہ یکبار ببوسد کفِ پایت

گل بہ بستانِ[2] ہنر نیست بجز افسوس غنی | پرِ طاؤس بود داغ کہ کم پرواست

طاقتِ[3] برخاستن چون گرد ما کم نماند | خلق پندارد کہ می خوردست و مست افتاده است

---

[1] دہنے باز (ا۱)، [2] گل نقصانِ ہنر نیست غنی جز افسوس (ب۱) و (ج) و (ا۱)

[3] مولانا ابوالکلام آزاد این شعر را در "غبار خاطر" (مکتوب مورخه ۲۹ اگست ۱۹۴۲ء) بحوالهٔ "کلمات الشعرا" بغنی نسبت داده است ولے این شعر نه در ہیچ نسخهٔ "دیوان غنی"، یا نسخه ہای چاپی "کلمات الشعرا" دیده میشود۔

نه دُر بگوشِ خود آن ماهِ دلستان انداخت | که مارِ کاکلِ او مُهره از دهان انداخت

از بسکه[1] داغِ جلوهٔ او گشت در چمن | مانندِ شعله سرو سراپا در آتش است

ما تنگ[1] ظرفان حریفِ اینقدر سختی نه‌ایم | دانهٔ اشکیم و ما را گردشِ چشم آسیا است

هر سوز[1] تغافل نمکِ زخمِ نگاهی است | حرفیست که بر حالِ اسیران نظری نیست

تغافلِ[2] تو مرا خوش نماید از لطفت | که این بهر کس و آن خاصه از برای من است

عاقبت[2] مکتوبِ ما را سوی او پروانه برد | تابِ سوزِ نامه‌ام بال و پرِ دیگر نداشت

هوای[1] رقصِ شان اندام میریخت | چو برگِ گل که از بادام میریخت[3]

---

[1] فقط در گلستانِ مسرت یافته میشود + [2] این هر سه شعر فقط در گلستانِ مسرت یافته میشود۔

[3] داراب کشمیری شعر ذیل را هم بغنی نسبت داده است که از بزرگان خود همین طور شنیده بود ؎
کم اصل بہ بزرگ شود بر نخاند دوست + انار دانه پخته شود بترکاند پوست + در هیچ نسخهٔ خطی و چاپی یافته نمیشود۔ بخیالِ غالب این است که غنی بطور ضرب المثل گفته باشد، بهر نوع چندان قابل اعتنا نیست +

ردیف جیم تازی

پا بسکه کشید در سفر رنج ‌‌ ‌ ‌ شد خانه نشین چو اسپ شطرنج

ردیف حای مهمله

روشندلان ندارند از هم غبار کلفت ‌ ‌ ‌ کی زنگ[1] می پذیرد آئینه از دم صبح

ردیف خای معجمه

بچو سر بپای تو سودم ز درد سر رستم ‌ ‌ ‌ حنای پای توام کرد کار صندل سرخ

ردیف دال مهمله

بلبل[2] شوخ مرا رام نسازد صیاد ‌ ‌ ‌ تار تار رگ گل دام نسازد صیاد

همچو گل مشت پرم بیخبر از پرواز است ‌ ‌ ‌ گو قفس را چو سبد بام نسازد صیاد

نقد بیقدر بود نقش پر طاؤس هم ‌ ‌ ‌ اگرش[3] سکه زند از دم نسازد صیاد

دم درد و ریش نقش نگین خوار است ‌ ‌ ‌ خویش را بیهده بدنام نسازد صیاد

چون بط می نتواند که مرا رام کند ‌ ‌ ‌ دم را تازه خط جام نسازد صیاد

مرغ دل شگفته سبزهٔ صحن چمن است ‌ ‌ ‌ دم را خط لب بام نسازد صیاد

معنی بیضهٔ فولادیمن[4] روشن کرد ‌ ‌ ‌ سخت گیری که مرا در قفس آهن کرد

---

۱ تیرگی ‌ ‌ ۲ این غزل در جواب غزل حضرت صرفی نوشته شد۔ ۳ آن (ا،ب) + ۴ مرادم ک،

شب که پروانه به پیشِ دلِ من جزو[۱] کشید   شمع آورد سوادِ الف[۲] و روشن کرد

تا کند اندرخِ زیبای تو در یوزهٔ حسن   جیب را غنچهٔ گل چاک زد و دامن کرد

بچمن رفتی و از بهرِ نثارِ تو صبا   امتحانِ زرِ گل بر محکِ سوسن کرد

چون کنم شکوه ز کم حاصلیِ مزرعِ خویش   هست مور آنقدر آنجا که توان خرمن کرد

هیچگه دم نزد از دوختنِ چاکِ دلم   رشته هرچند زباں در دهنِ سوزن کرد

چو مرغِ دل به بستان بیتو در پرواز می آید   به چشمش صحنِ گلشن سینهٔ شهباز می آید

بطِ صهبا بدستے کاسهٔ طنبور در دستے   پئے صیدِ دلِ رندان بطبل و باز می آید

نشانے نیست در خمخانهٔ[۳] خاک از مئِ عشرت   ز جامِ خالیِ نرگس همیں آواز می آید

برقص آید چو کار افتد بسر صاحب تنوّرا   که قاصد از پئے مکتوب در پرواز می آید

فتد چوں رخنه[۴] در کار بگشاید درِ روزی   ز سنگِ آسیا در گوشم ایں آواز می آید

ز تحریکِ زباں دایم بهر سو میرود شعرم   چه مرغست اینکه از یک بال در پرواز می آید

کارِ گره کشا نشود در زمانه بند   هرگز کسے ندیده[۵] در انگشتِ شانه بند

یکدم نگشت سیرِ بیاباں نصیبِ من   گشتم چو ریگِ شیشهٔ ساعت بخانه بند

---

۱ جود (م ک)، و (ب ا) جزو (ا ا)، و (پ ج) ۲ الفے (م ک) ۳ میخانه (ا ا) ۴ رخنه در کار تو (م ک) ۵ ندید (پ ف) +

گرم طلب بوصل نماند ز اضطراب ‌ ‌ ‌ تیری که تیز جست نشد[1] در نشانه بند

ای عندلیب بهر تماشای عکس گل ‌ ‌ ‌ بر روی آب همچو حباب آشیانه بند

تا کی چو گردباد توان بود هرزه گرد ‌ ‌ ‌ خود را چو نقش پای بیک آستانه بند

آخر ز پر خوری شکمت چاک میشود ‌ ‌ ‌ تا چند چون انار کنی دل بدانه بند[2]

مانند گل غنی گره کیسه باز کن

تا چند زر چو غنچه کنی در خزانه بند

لب لعلت چو مقابل بمی ناب شود ‌ ‌ ‌ ساغر باده ز خجلت چو حباب آب شود

عاشق از آرزوی مرگ چو بیتاب شود ‌ ‌ ‌ زر بقاتل دهد ار کشته چو سیماب شود

فیض چون گرسنه چشمان نبرد کس ز کریم ‌ ‌ ‌ آب دریا همگی صرف بگرداب شود[3]

سر خود را اگر از سرو نتابد قمری ‌ ‌ ‌ طوق بر گردن او تیغ سیه تاب شود

زهر چشم تو زبس کرد سرایت در وی ‌ ‌ ‌ چه عجب زهرهٔ بادام اگر آب شود

هر تهی کاسه درین بحر بود سرگردان ‌ ‌ ‌ حل این معنی پیچیده ز گرداب شود

ره بجایی نبرد هر که ز خود بیخبر است ‌ ‌ ‌ نقش پای بود آن پای که در خواب شود

بخت شورم شده از بسکه گلوگیر غنی

گر چکانی بلبم شیر نمک آب شود

---

١ بر (ب ا)، (م ک)، ٢ این شعر فقط در (م ک) وجود دارد ٣ این شعر در (د ا)، و (ب ا) یافته میشود ولی در (م ک) وجود دارد +

زنده درگورم اگر گردشِ افلاک کند — به که در مرگِ عزیزان بسرم خاک کند

میکنم گریه ز آلودگیِ دامنِ خویش[1] — اشک[2] تا دامنِ آلودهٔ من پاک کند

بادهٔ عیش نشوید ز دلم گردِ ملال — خویش را گر خُمِ افلاک نهٔ خاک کند

آشیانش گرهِ خاطرِ گلچین باشد — عندلیبی که ز گل میل بخاشاک کند

هر که چون گور زند خنده بماتم زدگان — چشم دارم که فلک در دهنش خاک کند

آشیان بندیِ بلبل بگلستان بیجاست[3] — مگر از صحنِ چمن خار و خسے پاک کند

در شبِ وصل نشان میدهد از شمع مرا — پرده چون دور ز رخسار عرقناک کند

مهرهٔ مار بود در نظرِ[4] باده کشان — سر برون دانهٔ انگور چو از تاک کند

هست از سلسلهٔ خاک نشینان شمشاد — دست بیعت مگر از شانه بگیسوی تو داد

ریختن دندان ز دهن رفت جوانی برباد — آه ازین ژاله که در مزرعِ عمرم[5] افتاد

شد مرا از قفسِ بیضهٔ بلبل معلوم — که گرفتاریِ عشاق بود مادرزاد

هر حبابی که سر از باده بر آرد گوید — بر لبِ ساغرِ میخانه توان داد بباد

بی زبان باش اگر میلِ فراغت داری — طفلِ اشک ست ز تکلیفِ دبستان آزاد

---

[1] پاک (ا ا) [2] دامنِ پاک مگر اشک مرا پاک کند (ا ا) و (ب ا)
[3] برخاست (ب ا) [4] دهن (م ک) [5] بجنتم (ا ا) و (ج) و (م ک)

شانه عمریست که از شوق کند تکرارش | مصرعِ زلفِ تو آخر به زبانها افتاد

خامه هرچند دو دل یک بمعنی نرسد | سعی کاری نکند چون نبود استعداد

بسانِ آسیا در نفعِ من نفعِ جهان باشد | نخلقی میرسد روزی مرا گر آب و نان باشد

گدا چون یافت روزی خویش را داند سلیمانی | برای مورِ سنگِ آسیا تختِ روان باشد

بکامِ دل رساند دست می از دوستی ما را | الهی تا دمِ آخر بکامِ دوستان باشد

هوای باغِ گیتی چون گلِ شمع نمی‌سازد | نسیمِ نوبهاران[2] بهرِ من بادِ خزان باشد

ز دستِ اندازِ غارتگر چرا افسرده دل باشم[3] | که ما را چون نهالِ شمع گلچین باغبان باشد

فلک گیرد ز من روزی به مردم کند قسمت | میانِ آسیا از من کنارِ دیگران باشد

چنان شد بدگمان صیّاد از اندازِ پروازم | که سوزد گر پرِ کاهی مرادِ آشیان باشد

کند بوی شرابم[4] مست از وی تنگ ظرفی

حبابِ باده در پیشم غنی رطلِ گران باشد

تا بصحرا هر طرف روشن چراغِ لاله شد | گردبادِ[5] از پرتوِ آن شعلهٔ جوّاله شد

ابرِ طالع را تماشا کن که در فصلِ بهار | بیضهٔ بلبل برای گلشنِ ما ژاله شد

بسکه در دشتِ جنون دارم آتش زیرِ پا | حلقهٔ زنجیر خواهد شعلهٔ جوّاله شد

---

۱ گر (اا)، ۲ حصار از بهر (ج)، ۳ باشی (ب ا)، ۴ کبابم (ب ا)

۵ بر تنم هر قطره خون چون ساغر تبخاله شد (ب ا) +

بسکه افتادست بی لعلت گره در کارِ عیش[۱] — قطرهٔ می بر لبِ دریا کشان تبخاله شد

تا دلِ ما کرد سر فریاد در صحرای عشق
گنبد گردون غنی پر از صدای ناله شد

تنگ رائی نیرے که گداز از دل و جاں کرد — از دورِ سرم سجده[۲] بمحرابِ کماں کرد

از تیغ گریبانِ صبوری ندریدیم — چون کوه مرا زخمِ زباں گرمِ فغاں کرد

بیزارم از آن عمر که وابستهٔ زیست — چون صبح مرا دیدنِ ناں سیر زجاں کرد

تا آبِ رخِ محتسب شهر نریزد[۳] — ما کشتی می را نتوانیم رواں کرد

هر چند غنی همچو نگین خانه نشین است
نامش ز درِ بسته بر آید چه تواں کرد

مرو در بزمِ دشمن گر چه جان بخش است عالم را — که میرد آتش ار در چشمهٔ آبِ بقا افتد

چو سرکش بر سرِ افتادگی آید مشو ایمن — که کارِ خویش خواهد کرد آتش هر کجا افتد

کشد اهلِ سخن گر بر سرم دستِ نوازش را — مرا چوں خامه معنیهای مشکل زیرِ پا افتد

ز جا کے میبرد آشوبِ گیتی خاکساران[۴] را — کجا در اضطراب از بادِ موجِ بوریا افتد

غنی از بس میانِ او بود در نازکی یکتا
اگر موی دگر پیدا شود در پیچها افتد

---

[۱] عشق (ب ا)، حسن (م ک)، عیش (چ)، [۲] سجدهٔ محراب (چ)، [۳] بریزد (ب ا) و (م ک)، نریزد (چ)، [۴] سرفرازان (ب ا) +

زشرمِ چشمِ تو بادام خشک تر گردد — مِیِ رسیده چو بیند لبِ تو بر گردد

ز خودنمائی بگذر بموسمِ پیری — چو ابره کهنه شود به که آستر گردد

مبر بهمّتِ عالی گمانِ غوّاصی[1] — ستاره در صدفِ چرخ گر گهر گردد

چو ماهی از تنِ افسرده دل نریزد خون — تنش تمام اگر پر ز نیشتر گردد

ببزمِ باده ضرورست گردشِ جامی — چو نیست ساغرِ می کاسه‌هایِ سر گردد

رخِ زردِ من آن چشمِ سیه را در نظر باشد — محک را هر کجا بینی سر و کارش بزر باشد

زگردیدن رسد چون آسیا در خانه ام روزی — من از گردش چو مانم روزیِ من در سفر باشد

بهنگامِ نثار از بس جواهر رفته در کارش — بجایِ رخنهٔ دیوار سوراخِ گهر باشد

نه درزدی از بلا پهلو اگر آسودگی خواهی — که در سیلاب کشتی ایمن و پُل در خطر باشد

دلِ ما شد دونیم از ناله در یادِ گلِ رویش — نوایِ بلبلان او ز منقارِ دگر باشد[2]

مبر زند چشمِ تو هر لحظه بمژگان ناخن — ترسم ای شوخ میانِ من و تو جنگ شود

نیست چون مهرهٔ نردم هوسِ قصرِ بلند — خانه ام ساخته از ریختنِ رنگ شود

---

[1] در (ج) و (ب ا) این مصرعه همین طور میباشد امّا در (م ک) مصرعهٔ اولی حسبِ ذیل است ع
به دل فروزیِ شمعِ جمال او نرسد.

[2] خبزد (ج) و (ب ا) +

هر که مانندِ فلاخن دلِ سنگین دارد / بقصد آیدم که کسی را بکسی جنگ شود

عمرها شد که بوصفِ دهنت مشغولم / نفسم آخر نفسم غنچه صفت تنگ شود

گرمیِ از دلِ سختِ تو ندیدم هرگز / باورم نیست که آتش علم از سنگ شود

تا در رهش افتادگیم راه نما شد / هر خار که در پای خلیدست عصا شد

من از قدمِ سعی بمقصود رسیدم / هر آبلهٔ پای مرا قبله نما شد

سر پیش فگندن زگنه داد نجاتم / صد طاعتِ ناکرده بیک سجده ادا شد

عاشق بفنا سیر ز معشوق نگردد / ماهی طلبِ آب کند گرچه غذا شد

چون شمع غنی گریهٔ ما بی اثری نیست / هر قطرهٔ اشک آبلهٔ چهرهٔ ما شد

بصحرایِ قیامت چون صفیر از صور برخیزد / شهیدِ گردشِ چشمِ تو مست از گور برخیزد

بنالد آنچنان از دردِ ایّامِ جدائیها / که از سر تا بسر صحن قیامت شور برخیزد

بمیدانِ پر آشوبِ محبّت آن شهیدم من / که از تعظیمِ خونم جوهر از ساطور برخیزد

مرا داغیست بر دل ای مسیحا که نفس هردم / صدایِ العطش از مرهمِ کافور برخیزد

غنی پرسوخت جانم از جفایِ خصمِ کم فرصت / الٰهی عیب جو از خاک فردا کور برخیزد

---

[1] این غزل فقط در (پ) دیده میشود +

محتسب بر درِ میخانه نشستن دارد — شیشهٔ دانهٔ انگور شکستن دارد

هردم از گوشهٔ خاطر سر جستن دارد — معنیِ تازه[۱] غزالیست که بستن دارد

زنگ[۲] از دل ببرد در شبِ هجر تو مهتاب — بی رخت آئینهٔ ماه شکستن دارد

نقشِ پایم ذرهٔ خاک نشینی گوید — که بهر جا که نشانند نشستن دارد

آن چشمِ مست باده کشی را چو عام کرد — نرگس زرِ یکه داشت همه صرف جام کرد

تا بود گفتگو سخنم نا تمام بود — نازم بجا مشی که سخن را تمام کرد

در چشمه پیاله حبابِ شراب نیست — می را هوای بادهٔ لعلِ تو جام کرد

محتاج دانه نیست پیِ صیدِ بلبلان — صیادِ ما ز رشتهٔ گلدسته دام کرد

ای خوش آندم که وصالِ تو میسر گردد — چون نفس جانِ بلب آمده ام برگردد

هیچ کلفت نبود گر بهم آمیزش[۳] نیست — آبِ آئینه کی از خاک مکدر گردد

انقلابی بعجم آبادِ جهان میخواهم — شاید این طالعِ برگشتهٔ من[۴] برگردد

مسندِ فقر کم[۵] از کسوتِ شاهی نبود — زیبد آئینه طرف گر به سکندر گردد

---

۱ ماچه (م ک) ۲ رنگ (ب ا) و (م ک) ۳ هست (م ک) ۴ ما (ب ا)
۵ چو (ب ا) و (م ک) +

درِ کُلفت برخِ اهلِ طرب[۱] باز مباد — ظرفی از باده تهی جز کدوی ساز مباد
گر گذاریم نه دم و قفست رو بگریز — جز پرِ تیرِ تو مارا سرِ پرواز مباد
گندم از بهرِ طمع خنده بر آدم دارد — یارب این در بجهان بر رخِ کس باز مباد
جز پرِ طوطیِ ما کز گل و گلزار گذشت — سبزهٔ در چمنِ سینهٔ شهباز مباد

آن سرو روان جای در آغوشِ که دارد؟ — دستی به نوازش بسرِ دوشِ که دارد؟
تارِ نگهم رشتهٔ گوهر شده از اشک — این دیده تمنّای بناگوشِ که دارد؟
شد رشتهٔ گلدسته ز یادش تنِ زارم — آن دستهٔ گل جای در آغوشِ که دارد؟
شعرم بنود منتظرِ گوشِ حریفان — خوانِ سخنم حاجتِ سرپوشِ که دارد[۲]؟

چشمت درِ سخن چو به[۳] با دام باز کرد — با او زبانِ طعنه زمژگان دراز کرد
بیمارِ عشق در خمِ محرابِ ابروش — خواهد چو چشمِ او باشارت نماز کرد
شاید که اهلِ درد بفریادِ من رسند — باید ز رشتهٔ نفسم تارِ ساز کرد

---

۱ نظر (ب ۱)
۲ در (ب ۱) 'ندارد' است ولے چون جزو این غزل است پس ظاهر است که کاتب اشتباه کرده است - در (۱۱) و (م ک) 'کِه دارد' است و درین جا بهمان طور اختیار شده است + ۳ در (م ک)

آید مرا ز خندهٔ گل این سخن بگوش — وا شد دلِ کسی که سرِ کیسه باز کرد

همچو مینا زورِ بازوی که دارم از می است — گر نباشد باده دستم آستینی میکند
بسکه در هر گوشه تخمِ خاکساری کاشتم — گرد باد از مزرعِ ما[۱] خوشه چینی میکند
خاطرش چون از غبارِ لشکرِ خط جمع نیست — هر دم آن زلفِ پریشان شانه بینی میکند
در فضای سینه ریزد رنگِ صد گلزار ها — هر که چون آئینه خاکستر نشینی میکند

زبر دست اضطراب و زیر دست آسودگی دارد — دو شاهد بر کلامِ من دو سنگِ آسیا باشد
توان از چرب و نرمی کرد اسیرِ خویش سرکش را — که تارِ شمع دائم شعله را زنجیرِ پا باشد
ز دلسوزی بریز ای آبله از چشمِ تر آبی — براهِ شوق تا کی آتشم در زیرِ پا باشد
بکامِ دل ندیدم جمع اسبابِ معیشت را — که آب و دانه ام چون آسیا از هم جدا باشد

چو کرسی جای گرمی هر که در خلوتسرا دارد — نمی جنبد ز جا هر چند آتش زیرِ پا دارد
کسی کز چرخ لطفی دید جوری در قفا دارد — چو آن خوشه که سرسبزی ز آبِ آسیا دارد
بود بختِ سیه را اختلاطی با سخنگویان[۲] — بود گر مسکنِ طوطی سوادِ هند جا دارد

---

[۱] در (م ک) "من" باشد و در مصرعهٔ اولی "کاشتم" بجای "کاشتیم" و "ما" مطابق (د ج) اختیار کرده شد۔ [۲] سیه بختان (د ا) +

بدورِ ماه رخت شمع هر کجا باشد — گلیمِ بختِ سیاهش بزیرِ پا باشد
کسی به روزِ جزا سرخ رو تواند شد — که خاکِ پای شهیدانِ کربلا باشد
شود براه یقین پیرِ دستگیر ترا — امامِ سبحه گر از خاکِ کربلا باشد

سخت جانی که بسرمای ریاضت سازد — همچو به فصلِ خزاں خرقه ز دوش اندازد
اثرِ شرم درین قوم زبیر روئی نیست — هیچکس را نشنیدیم که روئی سازد
کسوتِ مکر بود بار بر اربابِ کمال — چون بهی پخته شود زود[۱] ز دوش اندازد

میانِ[۲] بانزاکت همچو موران دلستان دارد — پرِ مورسهت شمشیر یکه بر موی میان دارد
نگه دز دیده از چشمِ سفیدم هر که پیش آمد — که دیدن در سفیدی چشمِ مردم را زیان دارد
غنی زخمِ زبان را هیچ مرهم به نمیسازد — مگر زخمِ زبان خاصیّتِ زخمِ دهان دارد

مردم که بالینِ من آن یار نیامد — صد بار زخود رفتم و یک بار نیامد
هرچند که زد شیشهٔ می بر لبش انگشت — بے لعلِ تو پیمانه بگفتار نیامد

۱ خرقه (م ک)، د (ب ل)، دے در (ا ا) زود بیاشد ۲ مطابق (د ا)، د (ب ا) آمد در (م ک) 'میانے' سهت +

کے رام تواں کرد غنی[1] گوشہ نشیں را ‏ ‏ ‏ ‏ در دست کسے صورتِ دیوار نیاید

خوش افسوسے ز قتلم[2] آں بتِ خونخوارِ من دارد ‏ ‏ ‏ ‏ کہ انگشتے بخون آلودہ دایم در دہن دارد

حمایل کرد شیرین دستِ خود در گردنِ خسرو ‏ ‏ ‏ ‏ مگر میلِ حنا بستن[3] ز خونِ کوہکن دارد

ز بوی جامہ می نازد بخود یعقوب زیں غافل ‏ ‏ ‏ ‏ کہ یوسف با زلیخا عیش[4] در یک پیرہن دارد

نامہ بہرِ روی تو گرمِ نگاہ شد ‏ ‏ ‏ ‏ چشمِ ستارہ محوِ تماشای ماہ شد

حالم[5] بہ رنگِ نامۂ عاصی تباہ شد ‏ ‏ ‏ ‏ یعنی بجرمِ عنبر مرا رو سیاہ شد

چوں شمع تا مسافرِ راہِ عدم شدم ‏ ‏ ‏ ‏ ہر دانۂ[6] سرشک مرا زادِ راہ شد

در خمِ زنجیرِ زلفش دل نہ تنہا بند شد ‏ ‏ ‏ ‏ عنبرِ ناخن ہر چہ بود از پیکر مانند شد

عشق را دامیست در پست و بلندِ روزگار ‏ ‏ ‏ ‏ کوہکن در بیستوں[3]، مجنوں بصحرا بند شد

برنیاید ہیچ طفل از خانۂ[8] عنبر ز طفلِ اشک ‏ ‏ ‏ ‏ اینچنیں کز گریۂ غم راہِ تماشا بند شد

مرا چوں آستیں صد چیں ز غیرت بر جبیں افتد ‏ ‏ ‏ ‏ اگر آں ساعدِ سیمیں بدستِ آستیں افتد

---

[1] کسے (ا ا) [2] قتل من (ب ا) [3] بندی (م ک م) [4] عشق (ب ا) و (م ک) [5] در (م ک) 'عالم' میباشد ولے 'حالم' مطابق (ا ا) ترجیح دادہ شد [6] قطرہ (ا ا، ج) و (ب) [8] از خانۂ ما غبار خشک (ب ا) +

دهد چون قدسیان را چشمِ او صهبای بیهوشی — سبوی چرخ از دوشِ ملائک بر زمین افتد

غنی جای دوای درد باشد همچنان خالی — اگر صد بار از داغم سیاهی چون[1] نگین افتد

یادِ ایامے که عالم از شراب آباد بود — سرگه گر بود در پیشانیِ[2] زنّار بود

شب صدای گریهٔ او جی دلست در بزمِ سماع — چشمِ نے کز اشک خالی بود در فریاد بود

چون بباشم در ندامت کز پیِ تصویرِ من — رنگِ خجلت بر جبینِ خامهٔ ایجاد بود

گرانجان کے بقطعِ راهِ تجرید آشنا گردد — که خواهد زاد ره گر گرد خود چون آسیا گردد

زند ربطِ بهم پیوستگان را گفتگو برهم — سخن چون در میان آید[3] و لب از هم جدا گردد

غنی در ملکِ دنیا انقلابے آرزو دارم — که خاک از گردشِ گردون غبارِ آسیا گردد

اندیشهٔ نداشتم از دل که خون شود — داغم ازین که داغ تو از دل برون شود

گوید زبانِ شیشه نهانی بگوشِ جام — هر[4] کس که سرکشد بجهان سرنگون شود

چون پنبه[5] خشک گشت غنی مغز در سرم — زیبد اگر فتیله داغِ جنون شود

---

۱ بر (ب ا)، ۲ از (ا ا، م ک)، ۳ آمد (م ک)، ۴ آن (ج)، ۵ غنچه (م ک) +

بر زبان قانع اگر حرف لب نان گیرد — زود از شرم زبان در تهٔ دندان گیرد

تا غبارے ز سر کوی تو روبد خورشید — نور در دیدهٔ او صورت مژگان گیرد

در دم صبح غنی پیر فلک می گوید — که قضا نان دهد آن لحظه که دندان گیرد

بروز هجر کے سیر گلستانم هوس باشد — که گلچین بے گل روی تو در چشم قفس باشد

ز بزم گفتگو خود را نهان سازند خاموشان — نقاب صورت آئینه از تار نفس باشد

بده از سبزهٔ خط مرغ دل را خط آزادی — چو مغز پسته تا کے طوطی ما در قفس باشد

زلف از راه ز شرم کمرش بر گردید — عاقبت مو بمیانش نتوانست رسید

دستگیر آنکه طلب کرد رهے[1] پیش نرفت — آسیا گرد عصا گشت بجائے نرسید

حاسد از کردهٔ خود گشت پشیمان که بزور — بر زمین زد سخن[2] ما و بافلاک رسید

منصور یار بست[3] ز دنیا و دار ماند — پرواز کرد گل ز گلستان و خار ماند

همچون سپیدئے که بود گرد مردمک — تا دید[4] پنبه داغ مرا بر کنار ماند

بگذشت عمر و موی سفیدی بجا گذشت — خاکسترے ز قافله یادگار ماند

---

۱ ره (الف) بره (ج)، ۲ سخنم را (الف) و (ج)، ۳ بست رخت (د م ک)، ۴ تا پنبه دید (الف) و (ب الف)

مکن با دوستان از آشنائی اختلاط افزون | در آید چون درون دیده مژگان خار میگردد
مکدر[۱] میشود دل از سخنگویانِ بیمعنی | برین آیینه رنگِ طوطیان زنگار میگردد
بچشم کم مبین گردِ کدورت را که در آخر | برای اختلاطِ دوستان دیوار میگردد

سرمه افتاد[۲] ز چشمِ تو و رسوا گردید | چون سیه مست که از[۳] روزنِ میخانه فتد
شمع[۴] آهم که کند بزمِ فلک را روشن | اخترِ سوخته ام چون پرِ پروانه فتد
کودکان سنگ بکف بر سرِ راهند غنی | خواهم این قرعه بنامِ منِ دیوانه فتد

بود روشندلان را اجتناب[۵] از نعمتِ شاهان | برد آیینه در بزمِ سکندر آب و نان از خود
بدستِ تیغِ او بسپرده ام جان و پشیمانم | که رنجانیده ام آن یارِ جانی را بجان از خود
مرا چون آسیا خوش دل نگه دارد تهی دستی | که روزی آورد در خانهٔ من میهمان از خود

میرود چون گرد بوی جامهٔ یوسف بباد | غنچهٔ گوی گریبانت اگر وا می شود
ما بفقر و فاقه خورسندیم همچون آسیا | گر رسد روزی غبارِ خاطرِ ما می شود

---

۱ عکس (ا ا)، ۲ افتاده (م ک)، ۳ در (ب ا)، ۴ شمع آخر جو (ا ا)، ۵ احتیاج (م ک) +

از تو ضعفهای مردم سخت حیرانم[1] غنی — هر که می افتد بپایم کنده پا[2] میشود

هر کرا چشم بر خسار نکوئی باشد — شمع پیش نظرش آبله روئی باشد
هر که در وادی غم تشنه لب خون خود است — دم شمشیر به چشمش لب جوئی باشد

رسد چون بر لبش[3] پیمانه صهبا جا نمیگیرد — بلی جای لب می نوش او صهبا نمیگیرد
بدست خود چنان بستم حنای بی نیازی را — که همچون پنجهٔ مرجان دُر از دریا نمیگیرد

ز ناز عشوه دایم آستین را پر ز چین[4] دارد — همیشه ماه من چین جبین[5] در آستین دارد
چرا دوزد غنی چشم طمع بر دولت[6] دنیا — که از نقد سخن[7] گنج روان در هر زمین دارد

ریاض حسنش از خون دل من تازه میگردد — ز رویم می پرد رنگ و برویش غازه میگردد
چو گرداب من مهجور با جام تهی سرخوش — لبم پیوسته بر گرد لب خمیازه میگردد

---

[1] درماندم (بج)، [2] ما (مک)، [3] لب (اا)، و (ب ا)، [4] برجبین (ب اق)
[5] بر (اا)، [6] نعمت (مک)، [7] روان (مک) +

در لحد غنچهٔ خاطر ز کفن بکشاید　　دل غربت زده از صبح وطن بکشاید

کودکان غنچهٔ گل را بنفس باز کنند　　زیبد آن شوخ دهن گر بسخن بکشاید[1]

فیضِ سخن بمردِ سخنگو نمیرسد　　از نافه بویِ مشک بآهو نمیرسد

زاهد به یار[2] تهمتِ صهبا کشی مکن[3]　　پیداست اینکه می بلبِ او نمیرسد

ترکِ خواب آن ترکِ خونریز از پی نخچیر کرد　　پر برون آورد از بالین و صرفِ تیر کرد

گر توانی ایدل از فریاد بیدارش مکن　　بختِ خواب آلوده مارا سیاهی زیر کرد

دلم سوزد چو برگے از درختے در خزان افتد　　که از برگِ خزان آتش بجانِ بلبلان افتد

درِ فیضِ سخن هرگز بدستِ سعی نکشاید　　بدندان وانمیگردد گره چون بر زبان افتد

---

۱ بازکند (م ک)　۲ یاد (م ک)　۳ مده (ب ا) +

دور از رخت ز دیدهٔ من[1] نور می‌پرد — چشمم ز خواهش نگه[2] دور می‌پرد
در آرزوی طرّهٔ مشکینت ای نگار — شد چشم ما سفید و چو کافور می‌پرد

دیده چون آن دو لب شیرین دید — معنی قندِ مکرّر فهمید[3]
بسکه دیوانهٔ چشمت گردید — کارِ بادام به زنجیر کشید

ز نار[4] گشته[5] گیسوی دلبران نرسد — چنانکه مار گزیده ز ریسمان ترسد
کسی که ابروی آن ترکِ تنگچو ببیند — عجب مدار که[6] از سایهٔ کمان ترسد

بزم وصل ست اگر میلِ تماشا دارید — همچو آئینه در دیدهٔ خود وا دارید
آید[7] از تارِ نفس طائر معنی در دام — ای حریفان قفس گوش مهیّا دارید

سخنورانِ قلمزن چه سحر پردازند — که صد پرند بیک تیرِ بی پر اندازند
ز راهِ حرص عجب نیست گر بخاک فتند — سبک روان که چو شاهین بلند پروازند

---

[1] تو (دم ک)، [2] نگهی (دم ک) [3] درین جا این دو بیتی مطابق (ج)، و (ا ا) ترتیب داده شده است در (دم ک) مصرعهٔ ثانی و مصرعهٔ ثالث با یکدیگر عوض شده است [4] مار (دم ک) و (ب ا) [5] خسته (ب ا)، [6] گر (ج)، [7] آمد (ا ا) +

کسے[1] کز وسعتِ مشرب چو گردون کام میگیرد — که شب[2] تسبیح بر کف صبح بر لب جام میگیرد
پرِ دیگر رنگ از روی بطِ می در میان آور — شکاری مرغِ وحشی را بمرغِ رام میگیرد

مه جبینان تا نظر بر روی زردم کرده اند — در شبِ غم شمعِ بزمِ اهلِ دردم کرده اند
همچو مجنونم سرے با جاده پیمائی نبود — رهنمایان در بیابان کوچه گردم کرده اند

گر نه قصدِ سیرِ باغ آن ترکِ تیر انداز کرد — مرغِ رنگ از آشیانِ گل چرا پرواز کرد
خواستم کز گلشنِ دیدارِ[3] او چینم گلے — چشم وا کردن درِ حیرت برویم باز کرد

آسمان برگشت از خورشید تا روی تو دید — پشت زد بر قبلهٔ ماهِ نو چو ابروی تو دید
رفت[4] تیر از هیبتِ شستِ تو بیرون از کمان — شد کمان را پشت خم چون زورِ بازوی تو دید

عاشقان نامهٔ خود بر پرِ دیگر بستند — تهمتے[5] بود که بر بالِ کبوتر بستند
غافل از ذکر مشو گر نبود سبحه بدست — رشتهٔ بند بر انگشت مکرر بستند

---

۱ از (ب ا) ۲ روز (ا) و (ب ا) ۳ رخسار (گلستانِ مسرت) ۴ کامد تیر از هیبتِ شستِ تو ماخذِ الف (ج) و (ا) ۵ گرہے (ب ا) +

بصحرا[1] این جنون از بس غریب و بیکس افتادست — کسی جز سنگِ طفلان بر سرِ مجنون نمی آید
غنی از گردِ کلفت[2] همچو ریگِ شیشهٔ ساعت — نفس در سینه ام میگردد و بیرون نمی آید

افسرده[3] زخم و داغِ دل آخر ز قحطِ خون — در خشک سال چشمه و جو خشک میشود
گر جامِ می دمی نبود بر کفم غنی — دستم بسانِ دستِ سبو خشک میشود

بی سرانجامیِ من بین که بزندانِ غمت — سرِ مویم شده در آرزوی شانه سفید
حالِ چشمِ ترِ خود ساخته حیران ما را — گشته تاریک سرا[4] تا شده اینخانه سفید

نه نشینِ بادهٔ پرشور دردِ ماتمست[5] — دست را نیلی کند هرگه نگار آخر شود
حیف باشد در وفا کم بودن از رنگِ حنا — عمر آن بهتر که در پایِ نگار آخر شود

داغم که چو طاوس پرِ ریختهٔ من — ره در قفسِ بالشِ صیّاد ندارد
شعرِ دگران را همه دارند بخاطر — شعر یکه غنی گفت کسی یاد ندارد

---

۱ بصحرای جنون (م ک)، و (اب ا)، ۲ خجلت (ب ا)، ۳ افسرده (ب ا)، و (م ک)، ۴ چرا (ا ا)، جهان (ب ا)، ۵ نه نشین بادهٔ پرشور دردِ ماتمی است (ا ا) +

نیفکند پرتوی بر ماه گر از شمعِ رخسارش　　بگردش هاله همچون شعلهٔ جوّاله میگردد
چسان از[1] همدمان دارم نهان رازِ[2] دل خود را　　که همچون نی نفس در سینهٔ من ناله[3] میگردد

زنگم پرید از رو افتاد چین بر ویم　　مانندِ مرغِ وحشی کز دام میگریزد
زاهد ز همّتِ پست لب وا نهد بگردون　　این مرغِ سست پرواز بر[4] بام میگریزد

هیچگه سررشتهٔ خاموشی از دستم نرفت　　بی سبب چون آستینم بخیه بر لب میزنند[5]
بخت میخواهد سیاهی تا برد خواهم ز چشم　　راهِ مردم بیشتر غارتگران شب میزنند[6]

چاکِ پیراهنِ یوسف نبود بی معنی　　خنده بر پاکیِ دامانِ زلیخا دارد
بسکه در[7] گوشهٔ عزلت چو غنچه دل بستم　　هر که شد گوشه نشین در دلِ من[8] جا دارد

گشتم چنان ضعیف که چون نورِ مهر و ماه　　پشتم ز بارِ سایهٔ دیوار بشکند
زین قیمتِ گران که بود گوهرِ مرا　　ترسم که رنگِ روی خریدار بشکند

۱؎ با (ب ا)، ۲؎ راز (م ک)، ۳؎ نالها دارد (م ک)، و در آن نسخه غزل هم طرح شاملِ این شعر باشد ۴؎ از (م ک)،
۵؎ می زند (م ک)، ۶؎ بر (ا ا)، ۷؎ ما (م ک)، من (ب ا) +

قلم تحریر کرد از سینهٔ چاکم مگر حرفی — که مکتوبم ز صد جا پاره چون بالِ کبوتر شد

بغیر از کیسه ام کز سیم و زر دزد بد پهلو را[۱] — غنی در پهلوی من هر تهیدستی توانگر شد

هنر چو نیست چه حاجت بلند پروازی — که کارِ شیر ز شبیرِ علم نمی آید

بیا که در شبِ هجر تو چشمِ گریانم — چو زخمِ آب رسیده بهم نمی آید

اشکِ حسرت بسکه می جوشد بهنگامِ وداع — میرود پایم ز[۲] کویش لیک در گِل میرود

کاروانِ عمر دارد بسکه در رفتن شتاب — همچو ریگِ شیشهٔ ساعت ز[۳] منزل میرود

جهان اگرچه بود دولتش ز چو ساغرِ جم — بچشمِ کاسهٔ درویش در نمی آید

برد همیشه دل از کف نوای موسیقار — صدا مگو که بیکدست بر نمی آید

ازین هوا که ترا در سرست می ترسم — که چون حباب رود عاقبت سرت بر باد

ستم رسیدهٔ سنگین دلیست[۴] پنداری — که جای دست بسر تیشه میزند فرهاد

---

۱ بغیر از سیم و زر گر کیسه ام دزد بد پهلو را (ب ا) ۲ به (م ک) ۳ صدای (م ک) و (ب ا)
۴ دلبیست (ب ا) +

نہالے راکہ دہقاں کند از جا کے ثمر گیرد | نمیخواہم کہ مارا آسماں از خاک برگیرد

نباشد از تغافل گر بما گویا نمیگردد | لبِ او بسکہ شیر نسبت از ہم وا نمیگردد

کس ز ہمرنگیِ ما مدّعی ما نشود | کہ کفِ بحر حریفِ یدِ بیضا نشود

گر کند فرہاد جاہا کے بمن پہلو زند | تیشہ اش از دور پیشِ من[1] خمِ زانو بود[2]

در دیدۂ سفید نگاہم اسیر ماند | آہ ایں چہ طائرست کہ در بیضہ دیر ماند

بے صفا از گردِ خط گلزارِ حسنِ یار شد | آبِ ایں آئینہ صرفِ سبزۂ زنگار شد

شامِ غم کز چشمِ ما[3] دور آں مہِ پرنور بود | چون لگن یک میل نور از دیدۂ ما دور بود

---

[1] ناخن (۱۱) [2] زند (۱۱) و (ب۱) [3] من (دمک) +

از سالکانِ رفته نشانے بجا نماند — بر آب هر که رفت ازو نقشِ پا نماند

چشم بر[1] راهند می خواران که کے باران شود — ابر میخواهند مستان خانه گو ویران شود

تا چشم دوختم ز جهان بینشم فزود — سوزن برای دیدهٔ من میلِ سرمه بود

دوش بے می دل ز سیرِ باغ در آزار بود — کاسهٔ سر همچو نرگس بر تنِ ما[2] بار بود

کسے آواره تا کے در دیارِ خویشتن باشد — چو ریگِ شیشهٔ ساعت مسافر در وطن باشد

تنگ چشمان چشمِ خود بر رزقِ مهمان می نهند — از طمع چون آسیا نان[3] بر سرِ نان می نهند

تبخاله[4] که جای لبِ آن هوش ربا کرد — می ریخت بجام خود[5] و خون در دلِ ما کرد

گردِ دامانِ تغافل نرود از یادم — این غبار یست که در خاطرِ ما میگردد[6]

---

[1] این شعر در کلمات الشعراء بمیرزا سنجر منسوب میباشد [2] من (ب ا)، [3] سر (م ک)، [4] تبخال
[5] من (ب ا)، و (م ک)، [6] این شعر فقط در (ب ا) یافته میشود +

شبها نه پس پرده باظهار جمال اند — خوبان همه چون صورت فانوس خیال اند

کبر در سلسلهٔ باده کشان کم باشد — تاک هر چند که بی بار بود خم باشد

چون بسیر چمن آن دلبر طنّاز آید — رنگ گل بیشتر از بوی بپرواز آید

ترک نمک گرفت و نمک را خراب[۱] کرد — آخر نمک حرامی داغم کباب کرد

خوش آن زمان که تیرش از شست جسته باشد — در پهلویم چو ترکش تا پر نشسته باشد

در هوای آب تیغش بسکه دل بیتاب بود — بخیه بر زخمم تو گوئی موج در گرداب بود

نی همین مژگان زهرآلود یارم میگزد — شانهٔ آن زلف چون دندان یارم میگزد

---

۱ حرام ساخت (۱۱)، و (ب ۱) +

گشت تا چشمِ ترم در رهِ مطلوب سفید　　پیشِ مردم نشود دیدهٔ یعقوب سفید

بود در اضطراب از اهلِ عالم هر که کامل شد　　طپیدن در میانِ جملهٔ اعضا قسمتِ دل شد

نصیبِ ما ز باغِ آفرینش میوهٔ غم شد　　نهالی را که پروردیم آخر نخلِ ماتم شد

بنوعی پارسا از سبحه گردانی پشیمان شد　　که انگشتش چو مسواک از زدن صرفِ[1] دندان شد

رفیقِ اهلِ غفلت هر که شد از کار میماند　　چو یک پا خفت پای دیگر از رفتار میماند

برف[2] نتواند شدن در کثرتِ باران سفید　　شد چسان از گریه ما را دیدهٔ گریان سفید

از چرخ بی مذلّت حاجت روا نگردد　　تا آبرو نریزی این آسیا نگردد

هر کس[3] که دیده روی تو دیوانه میشود　　آیینه خانه از تو پری خانه میشود

---

۱ رزق (م ک)، ۲ برف (چ) و (اا)، و د ب ل ابر (م ک)، ۳ در "بستانِ بی خزان" مصرعهٔ ثانی بدین قرارست ع آئینه از رخ تو پری خانه میشود +

از شرمِ قامتش سرو چون در گریز رو کرد | قمری ز طوق[۱] گردن زنجیرِ پایِ او کرد

بایران سخنها[۲] روان میرود | چه ایران سخن در جهان میرود

دیده ام از دیدنِ وضعِ جهان رنجور شد[۳] | زخمِ چشم را سفیدی مرهمِ کافور شد[۳]

چو شیخِ شهر زاد دید[۴] از نماز افتاد | دمے[۵] اگرچه بپا ایستاد باز افتاد

گر نباشد باده دل بر لبِ شیشه آواز بند | چون ز صهبا میشود خالی کدو بر ساز بند

چرخِ ظالم دوست چون عاجز کشی[۶] را سر کند | تیر را پروانه بخشد مرغ را بے پر کند

ما هیچ ره آوردِ دگر چشم نداریم | یاران همه خواهند که تشریف بیارید[۷]

---

۱ بطوق (ب ا)، ۲ بایران سخن های جهان میرود (۱۱)، و (ب ا)، ۳ بود (ب ا)، ۴ در (دم ک)، ۵ ولے (دم ک)، ۶ کسے راسر زند (دم ک)، ۷ بیارند (دم ک)، و (ب ا) +

آں آفتابِ تاباں چوں بے نقاب گردد
در چاہ ماہِ کنعاں از شرم آب گردد

سپند آسا اگر پیشِ خودم در آتش اندازد
ازاں بہتر کہ دور از خویش چوں چشمِ بدم سازد

چوں فصدِ زخمِ سینۂ احباب میکند
شمشیر را ز مشکِ سیہ ناب میکند

ماہ انداخت سپر چوں طرفِ روی تو شد
کاست از غیرت و ہمچشم با ابروی تو شد

چو صبحدم ز جمالت نقاب برخیزد
ز رشک مو بہ تنِ آفتاب برخیزد

چناں از اشکِ بلبل در گلستاں آب میگردد
کہ بر آب آشیانہا چوں خسِ گرداب میگردد

تا موی تعلق را[1] نسترد غنی از سر
بر گردِ سرش ہرگز[2] دستار نمیگردد

غنی رازِ تنک ظرفاں نمیماند نہاں آخر
اگر چوں شیشۂ ساعت نفس در سینہ می دزدند

---

[1] بسترد (ب ا) [2] دیگر (دم ک) +

رقصِ آں شوخ فراموش نگردد هرگز — چه نواں کرد که در خاطرِ ما مے گردد

دُنیا بزرگ باشد در دیدهٔ غلط بین — اندک بچشمِ احول بسیار مے نماید

گلفشانی میکند گلبن بفصلِ نوبهار — بلبلاں گوئی که در خاکِ چمن آسوده اند

نبود ز شوقِ بالِ هما اضطرابِ من — چشم ز اشتیاقِ پرِ کاه می پرد

بر هم بخورد[1] از طپشِ سینه آشیاں — مارا باین گیاهِ ضعیف این گماں نبود[2]

فریبِ نعمتِ شاهاں مخور که از فغفور — صدای کاسهٔ خالی بگوش می آید

کارِ[3] کسے برآر که خود هم رسی بکام — چوں گل نشاں شود پرِ بلبل بنیر بند

---

[1] نخورد (ج) بخورد (ا۱)، [2] این شعر فقط در (ا) و (ب۱) وجود دارد [3] کار (ا۱) و (ب ۱) کام (م ک ۲)

مانندِ آفتاب که روشن شود بصبح | داغِ دلم ز مرہمِ کافور تازه شد

با آئینه چهره میتوان شد | گر روی تو در میان نباشد

بود عشّاق را دستے دگر در کارِ جانبازی | بگوشم این صدا از تیشهٔ فرهاد می آید

دیدم میانِ یار و ندیدم دهانِ یار | نتوان بهیچ دیده چو در دیده مو فتد

بلبل بخدمتِ گل جا مے کنی بگلشن | بردار خار و خس را از باغ و آشیان نهید

ترسم طرفِ مهرِ نبوّت شود آخر | هر داغ که عُشّاقِ تو بر سینه گذارند

تا حرفِ می پرستان گفتی شنید زاهد | هشیار باش اینجا دیوار گوش دارد

زبس بر خویشتن می بالم از ذوقِ گرفتاری | بسانِ بیضه می ترسم شکستن در قفس افتد

شوقِ دیدارِ خود زخویشش برد — باید آئینه را به پیشش برد

ساغر بکف گرفته چو نرگس میا بروں — ترسم بایں بهانه دهانِ تو بو کنند

دلم را خالِ او دزدید و در گردِ خطش جویم[1] — که مالِ برده را دزداں نهاں در خاک میسازند

کند تاثیر در معشوق هم بیتابیٔ عاشق — که مه را چوں[2] کتاں آخر گریباں چاک میگردد

نمیسازد غذای چرب زائل ضعفِ پیری را — کماں را گرچه روغن میدهی فربه[3] نمیگردد

هستند بسکه مردمِ عالم هلاک نام — نبود عجب که لوحِ مزار از نگیں کنند

اثر بر عکس بخشد سعیِ من از طالعِ وارون — ز فریادِ سپندم چشمِ بد از خواب برخیزد

---

۱ دیدم (۱۹)، و (ب ا) ۲ همچوں (م ک) ۳ قوت نمیگیرد (م ک) +

نرگس رساند مژده که ساغر کشان بحشر | با نامهٔ سفید سر از خاک بر زنند[۱]

از کشته شدن چهرهٔ عاشق نشود زرد | این داغ به پیشانی سیماب نهادند

فیض[۲] سیه بهارِ شبنم بود آرزو | بوی گل چراغ مرا بید ماغ کرد

زنهار ایمن مباش ای غافل ز خشمِ حلیم | چون زمین در جنبش آید خانها ویران شود

بحرفِ قتل من روزی لبِ بالش گشت و متبسم | که از تاثیرِ بختِ من دمِ شمشیر[۳] بر گردد

سر دگر زاهد خشک سنت رهبر بی تمیزان را | که نابینا عصا را رهنمای خویش میسازد

ز بی فهمان نیاید غوص[۴] در بحرِ سخن کردن | سرِ بی مغز در معنی کدوی خشک را ماند

نامهٔ چون ز سرِ لطف فرستاد بمن | روشنم گشت که آن ماه خطی پیدا کرد

---

۱ کنند (ب ا) ۲ در (م ک) در ردیف غین معجمه هم نقل شده و آنجا مصرعهٔ ثانی بدینطور میباشد ع بوی گلِ چراغ مرا کرد بید ماغ ۳ ای تیغ (ب ا، و م ک) ۴ غور (ا ا) و (ب ا) +

باشد نشاطِ دیگر در عالمِ تجرّد   هر کس که گشت عریاں در پیرہن نگنجد

گردد اگر برشته ز گرمی عجب مدار   هر کس که سایه پرورِ ہندوستاں بود

ببذل رام تواں کرد ساده لوحاں را   عجب مدار اگر آئینه را بزر گیرند

ز چشمِ ناوک اندازِ تو دارد وعدهٔ زخمی   بایں امید آہو خونِ خود را مشک میسازد

حسابِ روز و شبِ ہجر را چه می پرسی   که روز نامهٔ ما چوں سیاههٔ شب بود[1]

صد میکده را رنگ بہر گوشه تواں ریخت   زاں سرمه که از چشمِ سیهٔ مستِ تو افتاد

رود فصلِ بہار از دستِ بلبل   بجای آشیاں گلدستهٔ بند

---

۱ شد (ب ۱) +

بکار[۱] گاهِ تماشا نقابِ روی ترا	ز تارِ شعشعهٔ آفتاب مے بافند

عبث از میان رمیده بنوعیکه در بهار	دیوانه هم بسیرِ گلستان نمے رود

معطّر است دماغم ز خوردنِ صهبا	مگر پیاله ام امشب سفالِ ریحان بود

تعریفِ حجّام

ز نقد بے نیازی[۲] کیسهٔ او آنچنان پر شد	که از دستِ کسے چیزے بجز ناخن نمیگیرد

خالِ رویش زیر برقع صیدِ دلها میکند	در زمینِ حُسن نتوان دانهٔ بیدام دید

مُردِ خضر نتوان شد که با حیاتِ ابد	تن از حجاب باظهارِ زندگی ندهد

اے دلِ آگاه شبها پاسبانِ خویش باش	یک نفس غافل مشو از خود که خوابت میبرد

در جوانی بطرب کوش که این موی سیاه	شب[۳] عیش است و در افسانه بسر نتوان[۴] برد[۵]

۱ه بارگاه (ا ا)، ۲ه زندگانی (ب ا)، ۳ه شب تار است، بافسانه بسر باید برد (م ک)، ۴ه باید (ج)، ۵ه شد (ب ا) +

بود گویا طفلِ نو رفتار شعرِ تازہ ام — کز لبم تا رفت بیروں بر زباںہا اوفتاد

دید چوں پروانہ را در خلوتِ فانوس رفت — شمع در بازارِ خوبی خوش دُکانے گرم کرد

مشکل بود گرفتنِ چیزے ز دستِ خلق — دستِ کسے بگیر اگر دست میدہد[1]

بالتفاتِ پدر دل منہ کہ قطرۂ آب — ز چشمِ ابر چو افتد دُرِ یتیم شود

پیوستہ کیسۂ ما ہمچوں حباب خالی است — ما را درم چو ماہی جز در بدن نگردد

از نزاکت اوفتد مضمونِ من — گر بمضمونِ کسے پہلو زند

ہر طائرے کہ بال فشاں میرسد ز شوق — دامن بر آتشِ دلِ عُشّاق میزند

---

[1] مے رسد +

جوی شیر از بر فرهاد خبر[۱] می آرد | که بهم خسرو و شیرین شکر آبی دارند

کلک من چون خامهٔ مو ریشه ریشه شد ز مشق | لیک ازین داغم که خطم صورتی پیدا نکرد

بباد دهنی چون شمع نتوانیم جان دادن | چراغ هستی ما از دم شمشیر می میرد[۲]

با دهانت نتواند ز ملاحت دم زد | پسته هر چند که خود را بنمک شور کند

ما بصد معنی باریک نگردیدیم خموش | گهرست آنکه[۳] بیک رشته دهن می بندد

نمی آید بکار تیز زبان جوهر ذاتی | ز آب خود لب شمشیر هرگز[۴] تر نمیگردد

مجنون شدست بید که در موسم بهار | خونش بجوش آمد و خنجر بخود کشید

نهان شد شمع در فانوس و بنیا بست پروانه | بتقریبی دکان خویش خوبان گرم میسازند

---

۱ گر می آید (نسخهٔ ایشیاٹک سوسائٹی مطبوعه) ۲ ترتیب مصرعه های این شعر عوض شده در ردیف نون هم آمده است
۳ اینکه (ایشیاٹک سوسائٹی) ۴ یک دم (ایشیاٹک سوسائٹی)

نگهی سوی چمن کردی و نرگس از شوق　　پر[1] برآورد که گردِ سرِ چشمت گردد

ضعیفند آنچنان دلبستگانِ چشم بیمارش　　که چون مژگان اگر خیزند از پا باز می افتند

کاروان بگذشت و من از کاهلی ماندم براه　　بهرِ خوابِ پایم آوازِ جرس افسانه شد

غنی[2] مشکل بود دل کندن از خوبان پس از الفت　　هنوز آب از کفِ یوسف بچشمِ چاه می آید

خرمنم پاک از خس و خاشاک سازم دانه را　　مزرعم را مور از سوراخ[3] ها غربال کرد

هر کسی گوهرِ مقصود بیابد[4] از سعی　　پای من بسکه دوید آبله پیدا کرد

ز شعرِ من دگران کامیاب و من محروم　　زبان چو[5] گوش کجا لذتِ سخن یابد

---

۱ سر (د م ک)، ۲ بلسے (ا،ا)، و (ج)، ۳ سوراخ خود (ب ا)، ۴ نیابد بے سعی (ا،ا)، و (د م ک)، ۵ ز (د م ک)

علوِ ہمتم کے آتش از ہمسایہ[1] میخواہد | بنانِ خویش سازد گرم چوں گردوں تنورِ خود

داغم از گردِ خطِ یار کہ از پرتوِ آن | بر رخِ آئینہ[2] چوں ماہ کلف پیدا شد

سبزۂ دشت اگر ہوش ربا نیست چرا | ہر کہ دیوانہ شود دامنِ صحرا گیرد

مگر در دل خیالِ تیغ آتشبار او بگذشت | کہ ہمچوں آبِ آہن تابِ خونِ من بجوش آمد

یکقطرہ[3] آب بیش نہ خوردم زجوئے[4] حرص | آں نیز عاقبت عرقِ انفعال شد

بجز کلفت نشد حاصل ز اسبابِ طرب ما را | زبادِ آستینی شب[5] چراغِ عیشِ ما گل شد

صورتِ[6] شیریں و جوئے شیر دارد در نظر | کوہکن در بیستوں کے یادِ جنت میکند

ندارد[6] نداز توکل توشۂ چوں آسیا مردم | اگر بر گردِ خود گردند زادِ راہ میخواہند

---

[1] ہمسایہ ہا خواہد (ا ا)، [2] آئینہ ماہ (م ک)، [3] "از جوئے حرص بیش نخوردم ز قطرۂ" (م ک)، [4] جام (ب ا)،
[5] این (م ک)، [6] یہ اشعار (ا ا)، و (ج) سے نقل کئے گئے۔ (م ک) میں درج نہیں ہیں +

گردون ز شوقِ مصرعِ ابروی آن هلال ‏ ‏ ‏ ‏ با آبِ زر رقم زدو نامش هلال کرد[1]

قلم و دوات شد[1] کاغذ همه جمع کرد نرگس ‏ ‏ ‏ ‏ که بوصفِ چشمِ خوبان ورقی سیاه سازد

چنان شد گردِ کلفت سدِّ راهِ عیش در عالم ‏ ‏ ‏ ‏ که غیر از طفلِ اشک از خانه طفلی برنمی آید

سرکش از سرکشیِ خویش بود در آزار ‏ ‏ ‏ ‏ مارِ ضحاک که گویند رگِ گردن بود

لبِ سوال غنی پیشِ مسکان مکشای ‏ ‏ ‏ ‏ که ز ترسم از دهنت لقمهٔ زبان گیرند

سخت دلبستگیِ داشت بدامِ صیاد ‏ ‏ ‏ ‏ تا نشد بالشِ او پُر ز پرم خواب نکرد

نباشد دل ز یارِ گرمِ خود[2] برداشتن آسان ‏ ‏ ‏ ‏ ز آتش چون سپند افتد جدا گردِ فغان گردد

---

[1] "شد" (ب۱) و (م ک) ؛ باب۳ صفحه ۱۶۳ شاملِ دوبیتی [2] خود (م ک) +

در اوّلِ کام رفت در خواب　　　پایم سفرے کہ کرد این بود

نگردد ساغرِ می بے لبِ لعلِ تو در محفل　　　برنگِ کاسۂ نرگس گران خود پر برون آرد

نیست حُسن بے بقا شایستۂ دلبستگی　　　با چراغِ برف یک پروانہ ہمراہی نکرد

ہیچ کس بر حالِ ما رحمے نکرد　　　تشنہ لب مردیم و چشمے تر نشد

یاران برند شعرِ مارا　　　افسوس کہ نامِ ما نبردند

عمرم بکوچہ گردِ[1] زلفش بسر رسید　　　این راہِ ما[2] ہیچ بپایان نمیرسد

توان از شاخِ تنزّلِ گُل ترقّی چید　　　نفس بہ نے چو فرو شد بلند میگردد

سایہ پرورِ قناعت بود[3] آزادہ غنی　　　بر سرش گر مگس ظلِّ ہما بنشیند[4][5]

---

[1] بندی (ب ا) [2] ز (ب ا) و (م ک) [3] شود [4] این شعر در بعضی از نسخہ ہا در ردیفِ شین ہم واقع میشود و آنجا مصرعۂ ثانی بطورِ ذیل میباشد ــ مگس ظلِّ ہما گر بنشیند بسرش +

بپای یار افتادم کہ شاید　　بدستِ زلف پیغامے فرستد

می فرستند بہ پدر پیرہنِ خالی را　　یوسف از دولتِ حُسن اینہمہ خود را گم کرد

نتوانست[1] نفس کشید کہ در دورِ چشمِ او　　مژگانِ سرمہ سا قلمِ خطّ جام شد

جزای صدقِ مکافاتِ دہر ہاں این بس　　کہ عمرِ قاتلِ پروانہ تا سحر نکشید

در روزگارِ دہر نماندہ ست باکسے　　ترسم کہ آفتاب ہم از آسماں رود

ہر کرا در عینِ اقبال ست چشمے بر زمیں　　چون مہ و خورشید نورِ چشمِ عالم میشود

خوانند اہلِ دولت بیدار بختِ خود را　　جز فتنہ نیست این بخت بیدار گو نباشد

---

[1] این شعر و چہار شعر دیگر کہ بعد ازین مے باشد از "گلستان مسرت" گرفتہ شدہ است۔ در "گلستان مسرت" شعرِ ذیل ہم بہ غنی منسوب شدہ است ولے در "تذکرہ نتائج الافکار" و "شمع انجمن" آن را بمیرزا طاہر وحید نسبت دادہ اند:–　　نورِ معشوقِ ازلی در دلم از یار افتاد　　عکسِ خورشید ز آئینہ بدیوار افتاد

تا[1] گے نو بر زمین روی و مه بر آسمان — طرح جهان خوش است که زیر و زبر شود

عیشی که بی[2] نپاید سرمایهٔ افسوس است — این دستِ حنا بسته بر هم زدنی دارد

ردیف رای مهمله

براهِ شوقِ تو ای آفتابِ عالمگیر — چو اشکِ شمع مرا عمر رفت در شبگیر

کجا ز دستِ خدنگِ تو جان برد نخچیر — پرندهٔ ز کمانت نجست غیر از تیر

توانگران نرسانند نفع مفلس را — که هست زاغ کمان بی نصیب از پر تیر

گرسنه آمد و ناخورده خونِ من بگذشت — هزار حیف که آن شوخ را ندیدم سیر

بخانقه مبر اسبابِ می کشی ساقی — که هست کشتی می را خطر ز موجِ حصیر

ز شرم پیشِ لبِ یار وا نمیگردد — دهانِ تنگِ بتان گشت غنچهٔ تصویر

بیادِ خطِّ تو هرگه که رو براه آرم — بسانِ خامه مرا آید از قفا زنجیر

دمِ بریدنِ سر شمع میکند روشن — که خوشتر از دمِ مردن[3] بود دمِ شمشیر

نگشت[4] بستهٔ دنیا و آخرت کارم — گذشته ام ز میانِ دو خانه رست[5] چو تیز

---

[1] این شعر در (ب ح) بعنی منسوب است [2] ماند (م ک) [3] عیسی (م ک)، د (ج) مردن (ا ا) و (ب ا) [4] نگشته بند (ا ا) [5] همچون (ب ا) +

غنی ز ترکِ محبّت بسے پشیمانم
ز زلفِ یار گرفتم دل و شدم دلگیر

هر که گرد از دو زبانی دلِ مردم افگار ‌‌ عاقبت دهر کند در دهنش خاک چو مار
تنِ ضحّاک کشید از رگِ گردن آزار ‌‌ قصّۂ مار که مشهور شد افسانہ شمار
مطلب از کثرتِ اسباب نگردد حاصل ‌‌ یک سخن سر نزند[1] با دو زبانی از مار
نسبت را چه اثر گر نبود استعداد ‌‌ آسیا صاف چو آئینہ نگردد ز غبار
ناله ام گوش نکردی تو و من دانم ازین ‌‌ پنبہ از گوش برون آر بداغم بگذار
سایه گر سایۂ کوہست سبک میباشد ‌‌ کسبِ تمکین نکند سفلہ[2] ز اربابِ وقار
گشت فریادِ بلند از نفسِ سوخته ام ‌‌ کرد گل سوزِ درونم چو سپند آخر کار

کارِ من نیست غنی چون دگران خودبینی
نزوم ناز خود آئینہ بہ پیشم مگذار

بس زند پیوسته دم از اختلاطِ زلفِ یار ‌‌ میگزد مار از زبانِ شانہ چون دندانِ مار
از دکانداری بنارد هیچکس روزی بدست ‌‌ کے بہ شاہینِ نزار و میتوان کردن شکار
میکشان گر زنده میدارند شبها دور نیست ‌‌ کم ز آبِ زندگی نبود شرابِ خوشگوار
از تنزّل نیست فطرت را نباشد هیچ باک ‌‌ بیم افتادن ندارد[3] هر که باشد نے سوار

---

[1] بزند (م ک) [2] شعله (م ک) [3] نباشد (م ک) ندارد (پج) +

چار دیوارِ عناصر نیست غیر از چار موج — گشت سیلابِ سرشکم در جهان تا آشکار

نیست میلِ سرکشی ما را بسانِ گرد باد — خویش را چون نقشِ پا کردیم فرشِ رهگذار

بسکه کوتاه است دست از دامنِ دولت مرا — جامهٔ بی آستین پوشیده‌ام فانوس وار

هر کجا فرصت آرد در وصالِ خود[1] غنی
سر بپای نخل آخر میگذارد برگ و بار

در مزاجِ[2] خشکِ زاهد بسکه افیون کرد کار — بر مزارِ او سزد گنبد ز برجِ کوکنار

خانه‌ام را عاقبت گردید بام و در یکی — بسکه همچون مور گشتم پایمالِ روزگار

عشق افزون میشود چون حسن میگردد زیاد — تا تو چار ابرو شدی چشمم ز شوقت گشت چار

روزِ خوش در زندگی[3] هرگز نصیبِ ما نشد — عمر در ماتم بسر بردیم چون شمعِ مزار

عاقبت سرکش بدستِ چون خودی گردد اسیر — شعلهٔ آتش کند کوتاه آخر دستِ خار

گرچه پر شد چون رزه از زخم سرتاپای من — هست پشتِ پردلان از من قوی در کارزار

در دهانِ ما گره گردید چون دندان[4] غنی
دانه گر شد نصیبِ ما ز کشتِ روزگار

از مالدار کیسهٔ خالی است یادگار — گوید بگوشم این سخنِ پوست کندهٔ مار[5]

---

۱ خویشتن (ج) ۲ بسکه زهدِ خشک در زاهد چو افیون کرد کار (الف) و (ج) و (ب ۱)
۳ هرزگی (م ک) زندگی (ج) ۴ همچو دندان عاقبت شد در دهانِ ما گره (ج) ۵ نار (ج) +

تلخ ہست عیشِ[1] بستہ زر رشکِ دامان بار — این زہرِ خندہ را نبود ہیچ اعتبار

خود را از آنچہ ہست نماید زیادہ تر — چون چشمِ احول آنکہ بمن میشود دوچار

چون من کسے بباغِ جہان تلخکام[1] نیست — پیمانہ ام ز زہر شدہ پُر چو کوکنار

از ضعفِ پیریست مرا تکیہ بر عصا — گر دم ہنوز ہرزہ چو طفلانِ نی سوار

زلفت ز گردِ کلفتِ ما بیدماغ نیست — باشد عبیرِ پیرہنِ مار از غبار

ہر چند شد لبم چو لبِ جو ز شعر تر — ہستم ہنوز تشنۂ اشعارِ آبدار

بہ مجلسے کہ بود بادہ از لبِ دلدار — میِ دو آتشہ باشد بجای آبِ خمار

دہد چو بستگیٔ رو مباش در آزار — ز بند ما[2] بود انگشت را[3] گشایشِ کار

ربود دل ز من و شد رقیب از من بیدل — چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

کند شکستہ زبانیٔ خود بیان طوطی — بہ پیشِ کلکِ من از نغمہ سنجیٔ منقار

گلے نچید ازین باغ جز تہیدستی — کسے کہ تکیہ کند بر درم بسانِ چنار

گمان برد کہ شرابے ز شیشہ ریخت بخاک — کند نگہ بگل و سرو ہر کہ در گلزار

مدعی گر لافِ جوہر زند ندارد اعتبار — ہمچو شمشیرے کہ میسازند از چوبِ چنار

---

۱ عیش تلخ (پج) تلخ عیش (داو) و (ب و) تلخ کام (م ک) ۲ ماشود (م ک) +
۳ با (م ک) +

در فراقت زندگانی بسکه بر من گشت بار | تیغ دایم بر سرِ خود میکشم چون کوهسار

بسکه بارد بر سرِ خصمِ تو آب از ابرِ تیغ | شد زره بر پیکرِ او عاقبت چون آبشار

نیستم بیکار گاهی دست و پای میزنم | پا بفرقِ روزگار و دست در دامانِ یار

تن بمردن نه غنی چون قامتت گردید خم

بهرِ این خاتم نگینی نیست جز سنگِ مزار

نیست موجِ جوی شیر از سنگِ خارا آشکار | کوهکن را شد سفید از گریه چشمِ انتظار

موسمِ گل میرود تا چشم بر هم میزنی | همچو نرگس جامه ها بر سر مکش در نوبهار

عاقبت چشمِ ترم از گریه خواهد شد خراب[1] | خانه ویران میشود چون طفل باشد خانه دار

حسنِ ذاتی[2] را غنی هیچ نباشد از زوال | کی بشوید آبِ بحر از پنجهٔ مرجان نگار

چشمش سفید شد بره انتظارِ دوست | حرفیست اینکه کوهکن آورد جوی شیر

از بسکه نیست[3] مادرِ ایام سینه صاف | شد موی ما سفید و ندیدیم روی شیر

خواهد غنی سفیدیِ چشمِ تر از سرشک[4] | باشد همیشه در دلِ طفل آرزوی شیر

پنبهٔ مینایِ می را مرهم کافور گیر | مهرهٔ مار آرزو داری ز تاک انگور گیر

---

۱ سفید (م ک)، ۲ حسنِ ذاتی را نباشد هیچ بیمی از زوال (م ک)، ولی در (۱۸) مقطع باشد.
۳ همت (م ک)، ۴ مرا فلک (۱۱)، و (ب ۱) +

ای که خواهی رخنه در ملکِ سلیمان افگنی — در زمینِ خاکساری خانهٔ چون مور گیر

رقم نا کرده وصفِ روی آن حور — قلم چون شمع شد فوّارهٔ نور
بیادِ طرّهٔ مشکینت ای حور — پرد چشمِ سفیدم همچو کافور

کاسه خود میکند هر کس بآب و دانه پُر — مردمِ چشمِ مرا از اشک شد پیمانه پُر
دانه چینی[1] از حرص گشتن دست از جان شستن است — شد صدف را آخر از آبِ گهر پیمانه پُر

معلوم شد ز جنبشِ نبضم که یک نفس — در دستِ اختیار نباشد عنانِ عمر
هر دم بریگِ شیشهٔ ساعت نگاه کن — غافل مباش از سفرِ کاروانِ عمر

در طلبِ بوی[2] نوای گلعذار — آبله پای است ز شبنم بهار

یاره پنهان[3] ز نظر گشت چو شد دیده سفید — مانعِ پرتوِ خورشید شد این کاغذ گیر

---

[1] چینِ حسن (ب ا) [2] روی (ب ا) [3] مطابق (ا ا)، د (ج) و لے در (م ک) یار از چشم نهان گشته +

باش چون کاسهٔ گل تشنه لب پخته شدن — رنگِ خامی نرود[1] تا ز رخت آب مخور

ردیف زاءِ معجمه

من نمیگویم که از امساک بر[2] زر خاک ریز — خاک را بردار از زر بر سرِ امساک ریز

توشهٔ راهے[3] بمنزل بیشتر از خود فرست — هر کجا مورے به بینی دانهٔ[4] بر خاک ریز

گر کند استادگی ابرِ بهارے باغبان — آبروی می پرستان را بپای[5] تاک ریز

گفتمش که شود از گلِ وصلت چمنم سبز — گل کرد خط از لعلِ تو و شد سخنم سبز

وصفِ خطِ سبزِ تو[6] مرا وردِ زبان است — چون پستهٔ عجب نیست شود گر دهنم سبز

گرچه پیکانِ خدنگِ تو ز خونم نگذشت — تشنهٔ خونِ من است آن لبِ سوفار هنوز

در پای نهالے چو مرا مست بگیری — چون خوشهٔ امے محتسب از تاک بیاویز

غنی[7] چو سایهٔ مرغ پرنده در رهِ شوق — اگرچه خاک نشستم نیفتم از پرواز

---

۱ نپزد (م ک)، ۲ زر بر (ا ا) زر در (ب ا)، ۳ راهِ محبت (ب ا)، ۴ در (ا ا)، و (ب ا)، ۵ بزیر (ب ا)، و (م ک)، ۶ در وصف خط آن خود مرا وردِ زبانست (ا ا) وصف خط آن خود الخ (ب ا)، ۷ لبانِ (ا ا) +

داده‌ایم تن بسوختن اما بسانِ شمع | در بزمِ دوست گرم نکردیم جا هنوز

از بهرِ احسانِ کس دستِ طلب[1] تر مکن | آبرو خواهی بنانِ خشک چون آیینه ساز

نگفته‌ایم غزل در زمینِ طرحِ رفیع | که میشود سخنِ ما درین زمین[2] کم سبز

ردیفِ سین مهمله

بسکه نتوانم ز ضعفِ تن قدم زد پیش و پس | سیرِ پای من درونِ کوچهٔ کفش است و بس
گر چنین از سنگِ طفلاں رخنه[3] ها افتد درو | آشیانِ بلبلِ ما میشود آخر قفس
در بیابانِ توکّل توشه در کار نیست | زادِ این ره دانهٔ دل بس بود همچون جرس
جبههٔ خود بر درِ آن مهر طلعت بسکه سود | آخر از پیشانیِ مه ماند ابروی[4] و بس
میرسد روزی بهر کس در خورِ همت ز غیب | کی بدامِ عنکبوت افتد شکاری جز مگس
آشیان تا در چمن بستیم سرگردان شدیم | ما مگر کردیم جمع از گردباد این خار و خس
عقل گر داری[5] مکن کسبِ کمال از ناقصان | کی رسد آخر دماغت از شرابِ نیم رس

بود محتاجِ دوا سینهٔ افگارِ قفس | شد پرِ طوطیِ ما مرهمِ زنگارِ قفس

---

۱ پُر (م ک) ۲ زمین (ا ا)، طرح (م ک)، و (ب ا) ۳ زخمها (ب ا) ۴ آب روی (م ک)، و (ب ا) ۵ اگر (ب ا) +

نیست خطهای سیه کبکِ[۱] مرا بر پر و بال — او فتاده ست برو سایهٔ دیوارِ قفس

سکه زن بر درمِ خویش ز دام ای طاؤس — میتوان گشت باین نقد خریدارِ قفس

بسکه آمد بسرش از همه جانب نیِ تیر — آشیان کرد بمرغ دلِ ما کارِ قفس

قسمتِ ما زین گلستان بجز خارِ حرمانست و بس — دستِ ما برگِ گلے گر چید دامانست و بس

سر به پیش افگندن از شرمِ گنه خوش طاعتیست — بهرِ ما گر هست محرابے گریبانست و بس

منکه از روزِ ازل هستم گرفتارِ[۲] قفس — در نظر محراب ها دارم ز دیوارِ قفس

نیست در گلزارِ گیتی رنگِ آزادی که هست — گل اسیرِ گلبن و بلبل گرفتارِ قفس

می کشد پنهان و می پوشد کبود — از فریبِ نرگسِ شهلا بترس

ردیفِ شین معجمه

مدام از چشم[۳] در گردش نباشد چشمِ جادویش — که بیمارست و گردانند از پهلو به پهلویش

بصحرای ختن[۴] بادِ صبا تا دم زد از بویش — بر آمد نافه را مو بر زبان در وصفِ گیسویش

غزالان را بدام آرد ز مژگانهای برگشته — مگر آهوی آهو گیر باشد چشمِ جادویش

---

۱ رنگ (ب ا)، و (م ک)، ۲ پرستار (ج)، و (د ا)، گرفتار (ب ا)، و (م ک)، و (ب م)، ۳ زنانه و عشوه (م ک)، ۴ جنوں (د ا)، و (ب ا) +

دارد به بزمِ مستان جامِ شراب گردش ‌ ‌ ‌ ‌ زاهد نیاید[1] اینجا[2] از بیمِ آب گردش

تا بی‌خبر فتادم چون نقشِ پا به راهش ‌ ‌ ‌ ‌ پایم ندید دیگر هرگز بخواب گردش

خواهی که پخته گردی منشین غنی به یکجا ‌ ‌ ‌ ‌ کز خامیست بر آرد همچون کباب گردش

منکه[3] کردم قدم از سر به رهِ آن مهوش ‌ ‌ ‌ ‌ هست از داغِ جنونم بنه پا آتش

ای خوش آندم که اسیران همه آزاد شوند ‌ ‌ ‌ ‌ مرغ از بیضه برون آید و تیر از ترکش

نور کم میدهد از روغنِ ناصاف چراغ ‌ ‌ ‌ ‌ گُلفت از دل نبرد می چو نباشد بی غش

بهرِ خدمت پیشِ اربابِ سخن آماده باش ‌ ‌ ‌ ‌ نقشِ خود را چون قلم بنشان و خود استاده باش

گر شوی واصل به منزل مگسل از پس[4] ماندگان ‌ ‌ ‌ ‌ در طریقِ همرهی پهلونشینِ جاده باش

گر بروی آب رفتن آرزو داری غنی ‌ ‌ ‌ ‌ زیرِ پای اهلِ دل افتاده چون سجّاده باش

هر که هست از خطِ سبز نو سوادِ نظرش ‌ ‌ ‌ ‌ خطِ یاقوت رگِ لعل بود در نظرش

دلِ مُمسک طپد از وسوسه چون مرغِ قفس ‌ ‌ ‌ ‌ زردهٔ بیضهٔ فولاد بود گرچه زرش[5]

---

[1] نیابد (ب ا، و ۲م ک) [2] انجا (۲م ک) [3] بیکه (۲م ک) و (ب ا) یکه [4] واماندگان (ب ا) [5] در (۲م ک) این غزل شامل مقطع ذیل نیز هست: ناز بر وردِ قناعت بود آزرده غنی ‌ گمبس ظلّ هما گر بتپید به سرش ولے در این نسخه تازه بر طبق بیشتر نسخه های زیاد در ضمنِ فردیات ردیف «ش» نقل شده است +

بیفکن ز آبِ دیدهٔ گریان سبوی خویش — یعنی مریز بر لبِ جو آبروی خویش
هرگز نمی ز کاسهٔ خالی نمی خوریم — نرگس صفت زدیم گره بر گلوی خویش

چون قبله نما خضرِ رهِ اهلِ جهان باش — سرگشته خود و راهنمای دگران باش
در راهِ فنا حاجتِ همراهِ دگر نیست — چون شمع بس قافلهٔ اشک روان باش

ز خوابِ ناز نتواند دمی بیدار شد چشمش — مگر با سرمهٔ بختِ سیاهم یار شد چشمش
سراغِ چشمهٔ آئینه میگیرد نگاهِ او — ز سوزِ عشق گوئی تشنهٔ دیدار شد چشمش

دمی از خانهٔ ما سیل نگذارد قدم بیرون — مگر خارِ سرِ دیوارِ ما شد سبز در پایش
نماید در نظر ما سرو همچون شیشهٔ خالی — ز بس قالب تهی کرد از شکوهِ نخلِ بالایش

از رشکِ دهانِ تنگِ یار است — خاتم پیوسته خانه بر دوش
غافل دادیم دل بدستت — ما را یاد و ترا فراموش

کسی که عشق بود روزِ اوّل استادش　　کتابِ صرف هوا ئیست کاغذِ بادش

رازِ کس ای صاحبِ بینش مکن زنهار فاش　　صد زبان گر باشدت چون مردمک خاموش باش

بسکه همچون آسیا می نالم از بیدادِ خویش　　میکشم در گوشِ خود انگشت از بیدادِ خویش

در خواب رود گر نفسی چشمِ نکویش　　نازد از عرقِ فتنه زند آب بر ویش

زنهار مکن تکیه بر افتادنِ سرکش　　افتادنِ سرکش بود افتادنِ آتش[1]

ازان در دلبرِ ما طاق می بینم دو ابرویش　　که از پیوستگی گشته یکی با هم دو ابرویش[2]

سعی روزی بر نمیدارد مرا از جای خویش　　آبرو چون شمع میریزم ولے در پای خویش

چند خونِ دل توان خوردن ز دستِ نفسِ خویش　　سنگ بستم بر شکم بهرِ شکستِ نفسِ خویش

۱ے خویش (ب ۱) ۲ے در (ج) و (ب ۱) جزوِ غزلِ اول ردیفِ شین معجمه است، ولے در (۱ ۱) در ضمنِ فردیات است، چراکه ردیفِ این شعر "دو ابرویش" می باشد +

زبیمِ[1] آنکه مبادا صدا بلند شود | بسنگِ سرمه شکستیم آبگینهٔ خویش

سفر چگونه کنم بیم ز آستانهٔ خویش | که همچو مردمِ چشمم نقیبِ خانهٔ خویش

سوزِ دلی که دارم از گریه کم نگردد | چون شمع آبِ چشمم باشد غذای آتش

کس بعدِ مرگ گریه[2] بحالم نمیکند | در زندگی چو شمع بگریم بحالِ خویش

بود کج بحث چون حرفِ غلط بر صفحهٔ مجلس | نخیزد گر بخنجر یک زبان بردار از تیغش

کجا گردد میسر نعمتِ دیدار چشمی را | که مژگانها بهم چسپیده از شیرینیِ خوابش

کمان[3] چون پیشِ ابرویش بدعوای فن وا زخجلت | تهی کرد آنچنان قالب که آوردند بر دوشش

١ـ این شعر در هیچ یک از نسخه های "دیوان غنی" دیده نمیشود ـ اما در "بستان بی خزان" در ضمن ذکر سلیم بغنی منسوب شده است.

٢ـ گریه بعد مرگ (ب ا) ٣ـ کمان پیش دو ابرویش الخ (د م ک) .

پردازِ شوقِ گرفتاریِ ما دیدهٔ دام
پرِ کاہے بگذاریم بپروازِ پرِ خویش

غبارِ صحنِ این بستان از بسکه رنگین است
شبیهِ خامهٔ موے مصوّر گشت جاروبش

اندیشه کرز تنگیِ گورت بود غنی
گنج از زمین برآر و بدرماندگاں به بخش

ازاں رو شکلِ ناخن یافت ابرو
که تا بکشاید گره از جبههٔ خویش

تا کے آن نازک بدن رانشگ دربر میکشد
روزِ محشر دستِ ما و دامنِ پیراهنش

ردیف طای مطبقه

نه همیداد رخسارش نشان تا ساده بود از خط
کنون خورشید را ماند که حسنِ او فرو د از خط

ردیفِ عین مهمله

چهره گردد گر شبے با عارضش رخسارِ شمع
افگند اشک ندامت صد گره در کارِ شمع

چشم دلسوزی نمی باید ز دشمن داشتن
آستین کے پاک سازد اشک از رخسارِ شمع

در شبِ وصلت چو خواهد بزم را روشن کند
پنبهٔ صبح آورد گردون برای تارِ شمع

---

۱ پرد (م ک) ۲ میکشی (۱۱، +

ردیفِ غین معجمه

روشن زمن جهان و من از بخت تیره داغ | که سایهٔ چراغ شود محو از چراغ[1]

هر جا بود روشن دلی باشد ز بخت تیره داغ | تاریکی پای چراغ زائل نگردد از چراغ

جز می بعیش محو ز بهر صفای دماغ | روغن اگر صاف بنسبت تیره نه وزد چراغ

ردیفِ فا

بسکه پستی و بلندی شد ز شعرم بر طرف | میشود هر مصرعم با مصرعِ دیگر طرف

روکشی[2] با زیر دستان باعثِ شرمندگیست | آبرو ریزد چو گردد شیشه با ساغر طرف

آخر از بی جوهری خواهد[3] سپر انداختن | گو مشو آئینه هر دم با رخ دلبر طرف

عزتی داریم در شهرِ جنون کز راه دور | سنگ می آید باستقبالِ ما از هر طرف

سوزِ عشقِ ما ز حرفِ سردِ ناصح کم نشد | گرمیِ آتش نمیگردد ز سرما بر طرف

نیک و بد را امتیازی نیست در بازارِ دهر | میشود در هر ترازو سنگ با گوهر طرف

سادہ لوحاں را نباید تربیت کردن غنی
گشت چون آئینه روشن شد برو سنگر طرف

---

[1] در (م ک) این شعر هم افزوده اند — فیض سیه بهار شبنم بود آنقدر | بوی گل چراغ مرا کرد بید ماغ — ولی این شعر قبلاً درین نسخه ردیف دال آورده شد [2] سرکشی (م ک) [3] باید (ب ل) و (م ک) +

ردیف قاف

چشمِ سفید ماست[1] نمکدانِ خوانِ عشق
بے مانمک چشی نکند میہمانِ عشق

از موی پیکرم گرہِ سر کشادہ است
گردم ہلاک ناخنِ تیزِ سنانِ عشق

جز شکارِ دلِ شیراں نبود پیشۂ عشق
کز پرِ تیر بود برگِ نےِ بیشۂ عشق

فتحبابے بسانِ قفل ندید
تا غنی بر نخاست از درِ خلق

تا ابروی آں دلبر گشت از نظرم غائب
پیوستہ پرد چشم چوں قبلہ نما از شوق

از بلندی نبود مرتبۂ پستی پست[2]
کارِ دیوار کند گردِ گلستاں خندق

لختِ جگر بدیدہ ام از قحطِ گریہ است
چوں آب بست تشنہ نہد در دہن عقیق

ردیفِ کافِ تازی

چوں نگینی کہ بکندن شود از رگ خالی
کردار عیب مرا سرزنش یاراں پاک

---

[1] ہست (۲ ک)   [2] نیست (۳ ک)

خاکساراں مدد از عالمِ بالا یابند — گرد را میکند از روی زمیں باراں پاک

هرگز سخنِ زاهدِ دل مرده نگوییم — ترسم که لبم همچو لبِ گور شود[1] خشک

زاهد برو از باغ که چوں مهرۂ تسبیح — از چشمِ بدت دانۂ انگور شود خشک

در غبارِ[2] تن نیابد کس نشاں از جانِ پاک — آب تا بیروں نیابد از میاں بردار خاک

نشنید نالۂ مرغِ چمن مگر در خاک — که میدمد ز تهٔ خاک گل گریباں چاک

بود[1] کلیدِ درِ رزقِ پارسا مسواک — کجا ز دست دهد همچو آسیا مسواک

بلبل بر داشت آشیاں را — گل گفت که خس کم و جهاں پاک

ردیفِ کافِ فارسی

بار نسبت گراں بر رخم از ضعفِ بدن رنگ — ای کاش پرد زود ز رخسارۂ من رنگ

زیں شرم که شد شسته نگارش[3] ز سرِ شکم — افتاد بپایت چو پرید از رخِ من رنگ

۱ه بود (م ک) ۲ه با ز (ا ا) و (ب ا) ۳ه نگارہی (ب ا) +

تا آن غزال گرم ز پیشم گذشته است | مو بر تنم فتیلهٔ داغست چون پلنگ[۱]

گردون ز طاق بندی قوسِ قزح گذشت | تا خانهٔ کمانِ ترا ریختند رنگ

آزارِ جان حیاتِ دهر بیشتر ز مرگ | تا هست زندگی نکنم شکوه سر ز مرگ

نیست عینک که نهادیم ز پیری بر چشم | نگه از شوقِ جمالِ تو زند سر بر سنگ

دوای مردمم امّا علاجِ خود نمی‌دانم | چو بادامی که سر از خشک مغزی می‌زند بر سنگ

ردیفِ لام

پیرهن گل، تن گل، عارض گل، لبِ دلدار گل | باغبانِ صنع بسته دستهٔ زین چار گل

عزمِ گلشن گر کنی نارفته در صحنِ چمن | سر بر آرد بهرِ دیدارِ تو از دیوار گل

پیکرِ ساقی سراپا گوئی از گل ساختند | دست گل پا گل بدن گل چهره گل رخسار گل

گر نیابد مدد از شبنمِ اشکِ بلبل | می‌نماید چو رگِ لعل ز خشکی رگِ گل

---

[۱] در (ب) مصرعه‌های اول و سوم بیت و مصرعه‌های دوم و چهارم را بصورت یک مطلع آورده شده است — مو بر تنم فتیلهٔ داغست چون پلنگ. تا خانهٔ کمانِ ترا ریختند رنگ +

شده از خوردنِ پانش زبان لعل — لبش لعل و دهن سوراخ آن لعل

سرو در فصلِ خزان ماند بحال — راستی را نبود بیمِ زوال

نیست شهرت طلب آنکس که کمالی دارد — هرگز انگشت نما بدر نباشد چو هلال

نی جای خروش فن و نی پای برون شد — درماندهٔ این دائره‌ام همچو جلاجل

ردیفِ میم

یار در بزم آمد و ما از حیا برخاستیم — چون نگین تا نقشِ ما بنشست ما برخاستیم

دست می‌بایست شست از آبروی خویشتن — ما ز خوانِ اهلِ دولت ناشتا برخاستیم

بارها با[1] سایه سنجیدیم خود را در وقار — او ز تمکین بر زمین[2] بنشست و ما برخاستیم

بیقراری‌ها[3] تماشا کن که مانندِ سپند — گرم تا در بزمِ او کردیم جا برخاستیم

کس پئی تعظیمِ ما از اهلِ مجلس برنخاست — بهرِ پاسِ عزّت آخر خود ز جا برخاستیم

نیست ما را قوّتِ بی تکیه استادن غنی — نقشِ دیواریم همچون سایه تا برخاستیم

---

۱ در (۱۱)، ۲ پیش ما (۱۱)، ۳ بیقراری را (ب ۱) +

نه دارِ آخرت نی دارِ دنیا در نظر دارم — ز عشقت کار چون منصور بادارِ دگر دارم

در و دیوار واکردست چشمی در تماشایت[1] — منم کز روی حسرت چشم بر دیوار و در دارم

غبارِ خاطرم از اهلِ عالم جمع شد چندان — که میخواهم به پیشِ روی خود دیوار بردارم

ز شوقِ هرزه گردی همچو ریگِ شیشهٔ ساعت — بمنزل نانهادم پای اندازِ سفر دارم

غنی یکرنگیِ معشوق و عاشق دیدنی دارد
نگاهی بر پرِ طوطی و برگِ نیشکر دارم

سر همچو تارِ سبحه بصد در کشیده ام[2] — آخر رسیده ام بخود و آرمیده ام

در عالمِ مثال مثالت نبوده است — هر چند کز دریچهٔ آئینه دیده ام

هر کس کشیده آرزوی خویش در کنار — من دستِ خویش در بغلِ خود کشیده ام

بالا گرفت کارِ من از آهِ آتشین — از ناله چون سپند بجائی رسیده ام

فارغ نیم ز هرزه دوی[3] همچو آسیا — بیهوده پای خویش بدامن کشیده ام

نشانِ هرزه گردی ظاهر است از طرزِ رفتارم — بود سرگشتگی پیدا ز نقشِ پا چو پرگارم

مرا اندستِ این مشکلکشایان دل بتنگ آمد — ز ناخن ها گره چون غنچه افتادست در کارم

۱؎ تماشائی (ب ا)، ۲؎ در (د م ک)، "یم" ردیف میباشد ۳؎ روی (ب ا) +

دلی سوراخ از دستِ فلک دارم که چون سوزن[۱] | ز پایم رشته چون سر زد کند تکلیفِ رفتارم

ز بس در هجر و حزن و غم نقشِ ابروی تو جا دارد | شود قوسِ قزح هر گه پر د رنگی ز رخسارم

بر انگشتش بپیچم رشتهٔ باریک‌تر از مو | دهد تا آن تغافل پیشه را یاد از تنِ زارم

مرا جز تخته بندیِ[۲] دکان کاری نمیباشد | شکست افتاد تا از سستیِ طالع ببازارم

درین گلشن نباشد طوطیِ شیرین سخن چون من | بکارِ نیشکر صد عقده افگندست منقارم[۳]

صدای گریهٔ ابرِ بهاری کرد معلومم | که آبِ بحر را زد بر زمین چشمِ گهربارم

غنی از گلخنِ گیتی با خگر میزنم پهلو
که از سوزِ درون خاکستری شد رنگِ رخسارم

ز سودا حرفِ مردم گوش کردن شد فراموشم[۴] | ز خشکیِ مغز سر گردید آخر پنبه در گوشم

شوم عریان تن و در جامه از شادی نمی‌گنجم | اگر یکشب دهد آن ماه پیکر تن در آغوشم

نیم شبنم که سازم بالشِ خود غنچهٔ گل را | چو بلبل وقتِ خفتن تکیه گاهِ خود[۵] بود دوشم

چنان[۶] پروردِ تجریدم بدامانِ تن آسانی | که میگردد کبود از کسوتِ خارا بر و دوشم

در سفر همرهم غمِ وطن است | گلِ با خار چیده را مانم
خنده‌ام[۷] در کمینِ پرواز است | کبکِ شهباز دیده را مانم

---

۱ سوزو (ب ا)، ۲ بندی ها دکانداری (م ک)، ۳ گفتارم (ب ا)، ۴ فراموشی (م ک)، ۵ سر (ب ا) ۶ جهان (م ک)، ۷ رنگ من (م ک)، خنده ام (ج) +

ریختن خونم برنگِ آبِ سپهر | رگِ تاکِ بریده را مانم
بی نو بر فرشِ گل زبیتابی | مرغِ در خون طپیده را مانم

تنگ و تاریکیست همچون نغمهٔ نی خانه ام | رخنهٔ دیوار باشد روزنِ کاشانه ام
من دریں ره انتظارِ دشمنِ خود میبرم[1] | تا نه بیند سیل[2] را نه نشیند از پا[3] خانه ام
در تر و خشکِ جهان چون سبحه و صهبا غنی | هیچکس با هم نه بیند جمع آب و دانه ام
شمع روی گلرخی بردست از هوشم غنی | روز بال بلبل و در شب پرِ پروانه ام[4]

به بزمِ دردمندان زار نالیدن هوس دارم | چو نَی خواهم که در فریاد باشم تا نفس دارم
بگلزارِ محبت آشیان بستم تماشا کن | چمن پر آتش و من تکیه بر یک مشتِ خس دارم
فغانِ دل بگوش از سینهٔ صد چاک می آید | تو پنداری که نالان عندلیبی در قفس دارم

مُهر خاموشی بلب نِه[5] تا بود عیشت بکام | بی زبانی بسته را در خنده میدارد مدام
پای من یک لحظه جا در گوشهٔ دامان نکرد | گشت عمرم در سفر چون رشتهٔ سوزن تمام
خاکساران از بلای آسمانی ایمن اند | ماهیِ زیرِ زمین را کس نمی آرد بدام[6]

۱ــه کشتم (ب م) ۲ــه میل (م ک) ۳ــه جا (ب م) ۴ــه ایں مقطع فقط در (ب م) دیده میشود ۵ــه نو (م ک) ۶ــه گیرد (ب ۱) +

چون طفلِ اشک گرچه بهر دم نشسته ام | خاکم بسر که داخلِ آدم نگشته ام

خواندم تمام صفحهٔ گیتی چو آفتاب | بیهوده در قلمروِ عالم[۱] نگشته ام

دایم جوانم از مددِ همّتِ بلند | یعنی ز بارِ منّتِ کس خم نگشته ام

بکُنجِ بینوائی طالعِ ساماں کجا دارم | که بیمِ خانه ویرانی ز موجِ بوریا دارم

تصرف آنچناں کردم دیارِ خاکساری را | که در هر رهگذر صد جا بیش از نقشِ پا دارم

چناں زد[۲] راهِ من شوقِ خرامِ کبک رفتارے | که چوں خلخال دایم گوش بر آوازِ پا دارم

بگیرم[۳] تنگ در آغوش تا آن خرمنِ گل را | نمے آساید آغوشم نمے آید بجا دستم

هما نا از گلِ بیتُ الحزن کردند تعمیرم | که هر گز چوں سبو از سر نمیگیرد جدا دستم

ز حُسنِ بے نیازی پنجه میزد بایدِ بیضا | بچشمِ خلق گردید از طمع چون اژدها دستم

هر خسے تیغے بود از ناتوانی بر تنم | گر نیابد[۴] باورت انداز خس بر گردنم

میتواند چهره[۵] شد با من[۶] چو عکسِ آئینه | گر کند رنگِ پریده تکیه بر ضعفِ تنم

---

۱ آدم (م ک)، ۲ در (ب ا) ۳ این سه بیتی در (ب ح)، یعنی منسوب است ۴ بناشد (م ک)، ۵ شد طرف (ب ا)، ۶ ما من (ب ا) +

نسکاینی بزبان نسبت در شبِ تارم — چو شمع در شبِ تار رست روز بازارم
زبسکه تشنه لبِ حُسن ظاهرم دارد — زنار سوخته[1] مردمک در آزارم

چند در موسم سرما شرر از سنگ کشم — گر دهد[2] دست زمینا می گلرنگ کشم
رشته شد تنِ من از تو جدا کی باشد — که چو گلدسته ترا در برِ خود تنگ کشم

بپای خم فتادم جام تا افتاد از دستم — شکستم شیشهٔ انگور چون[3] میکرد بد مستم
درین دریا غنی همچون حباب از خشکی طالع — زدم بر آب هرگه دست خود بر[4] باد شد دستم

در گلشن تماشا آرام دل ندیدیم — ما غیر دامن خود برگِ گلی نچیدیم
چون میشویم دایم بی بهره از تماشا — فصل بهار بگذشت وقتی که ما رسیدیم[5]

هرچند که در کوچه تر دیده دویدیم — چون مهرهٔ تسبیح بجائی نرسیدیم
هستیم سرافراز چو خار سرِ دیوار — از بسکه درین باغ بپائی نخلیدیم

[1] سوخته (ب ا) [2] گر دهم دست بمینا (ب ا) [3] تا (ب ا) [4] برباد (ب ا) [5] این دوبیتی فقط در (ب ا) دیده میشود +

می از فراقِ تو خون نیست مرده در کامم
صدای نوحه بگوش آید از لبِ جامم

بسانِ نقشِ نگینی که جا کند بر موم
زدم چو بر درِ پستی بلند شد نامم

نی بیش میتواند نی کم گرفت دستم
در حیرتم که آخر چون خم گرفت دستم

بر روی خود الفها دانی چرا کشیده است
از بهرِ مردنِ خود ماتم گرفت دستم

بگردِ تو میگردم[1] واز خود خبرم[2] نیست
شمعی تو و من صورتِ فانوسِ خیالم

چون شمع[3] درین باغ بچیدم گلِ عیشی
تا برگ برآورد غنی سوخت نهالم

در[4] راهِ فنا حاجتِ همراهِ دگر[5] نیست
چون شمع پی قافلهٔ اشک روانم

در گوشِ نوای شمع[6] چگویم که زحیرت
چون رشتهٔ گوهر شده خاموش زبانم

حرفِ بیدردیِ من کرد رقم بهرِ رقیب
کشتهٔ زخمِ زبانِ قلمِ یار شدم[7]

حسنِ سبزی بخطِ سبز مرا کرد اسیر
دام همرنگِ زمین بود گرفتار شدم

---

۱ گردیدم (اا)، و (م ک) ۲ خبرے (ب ا)، و (م ک) ۳ شمعے (اا)، ۴ از (ب ا) ۵ مراد (ب ا)
۶ شمع (م ک) ۷ خودم (ب ا) +

فیض از بیگانه میجوییم[1] نی از آشنا
چون صدف در بحر آب از جایِ دیگر میجوییم

بی محابا می نهد لب بر لبِ مینوشِ او
گر بدستِ ما بیفتد خونِ ساغر میخوریم

آسودگی بگوشهٔ هستی ندیده ایم
جان داده ایم و کنجِ مزاری خریده ایم

چون شمع بود منزلِ ما زیرِ پایِ ما
از پا نشسته ایم و بمنزل رسیده ایم

چون نیست بجز خانه مرا هیچ متاعی
عیبم نتوان کرد اگر خانه بدوشم

در خوابِ من از شورِ حوادث[2] خللی نیست
تا گشته پر از پنبهٔ غفلت تکیهٔ گوشم

لبم شد از گزیدن خانهٔ زنبور بی لعلت[3]
درین زنبور خانه شهد باشد جانِ شیرینم

به بزمِ نکته سنجان سرخروئی از[4] سخن دارم
پره در نگم اگر دزدی برد مضمونِ رنگینم

چون شمعِ شب بگریه و آهی نشسته ایم
وقتِ سحر به وزِ سیاهی نشسته ایم

---

١ می خواهیم (ب ا) و (م ک)؛ ٢ قیامت (م ک)، حوادث (ب ج) و (ا ا)، ٣ علت (ا ا)، ٤ آن (م ک)

منکه پس ماندم براه از دوستداران سوختم ‌‌ — ‌‌ چون نفس از گرمیِ رفتارِ یاران سوختم

بارِ نخلِ سرکش و ما خاکساران ریشه ایم ‌‌ — ‌‌ از[1] در اندازِ ترقّی ما تنزّل پیشه ایم

تا بزیرِ سپهر جا دارم ‌‌ — ‌‌ ناله چون آبِ آسیا دارم

بدام افتادم و اشک از شکستِ بال میریزم ‌‌ — ‌‌ ولے سودے ندارم[2] آب در غربال میریزم

میِ خونِ جگر زسم کند سوراخِ پهلویم ‌‌ — ‌‌ بگردان چون کباب ای اضطرابِ دل بهر سویم

بسوزِ عشق نه کردم بود افسردگی مرگم ‌‌ — ‌‌ بسانِ شمع بے آتش کجا باشد سر و برگم

نیستم گردوں ولے دارند مردم کینه ام ‌‌ — ‌‌ هست چشمِ عالمے روشن ز داغِ سینه ام

[1]تا سفیدی را ز رویِ نامهٔ خود برده ایم ‌‌ — ‌‌ در سیه کاری عجب روزی بشب آورده ایم

١ـ او (ا ا)، و (ب ا)، ٢ـ ندارد (م ک).

همیشه دل بدست از بهر یار دل‌شکن دارم — ندارد در جهان کس این دل و دستے که من دارم

کرده ز جهان شغل سخن[1] گوشه گزینیم — تا خامه مسافر شده من خانه نشینیم

مے دم صبح بیا باده سر انجام کنیم — سبحه چون پیر فلک درگرو جام کنیم

در چمن تا عهد یکرنگی به بلبل بسته ایم — دست گلچین را بجای دستهٔ گل بسته ایم

تا ز بزم وصال[2] او دورم — زنده ام لیک زنده در گورم

تا درین گلشن چو تاک از می پرستی دم زدیم[3] — سبحهٔ صد دانه را از بهر می برهم زدیم[3]

شبے به مجلس آن مه چو شمع جا کردم — گلیم بخت سیه را بزیر پا کردم

---

۱ جهان (۱۱)، ۲ خیال (۱۱) و (ب ۱)، ۳ زدم (ب ۱) +

چشم تا وا کرده‌ام بر خاکِ غم افتاده‌ام | همچو طفلِ اشک در ایّامِ ماتم زاده‌ام

دُرِ گفتارِ ناصح را بخوبی تا نگهدارم | بدُرجِ گوش اوّل پنبهٔ خواهم که بگذارم

ز درازدستِ حسنت شب و روز داد خواهم | بزمین رسیده زلفت ز فلک گذشت آهم

چو دیدم قامتش[1] از پا فتادم | بکن رحمی که از بالا فتادم

رزمگاه از تیرها گشته نیستانِ قلم | همچو شیرِ بیشه آید در نظر شیرِ علم

زند بیدوست[2] ز نیروِ نگه صد نیش بر چشم | بود مارِ غبار آلوده میلِ سرمه در چشم

پس از کشتن وجودے بخشد آن مهرِ دل افروزم | بود روزِ قیامت در جهان چون سایه بر روزم

ندارد آب و رنگی بی‌تو رویِ باغ در چشم | نماید لاله همچون آشیانِ زاغ در چشم

---

۱ قامتت (م ک)، ۲ بیدست (م ک) +

در پیری انتخابِ کتب نسبت با بِ چشم — عینک بود کنون ورقِ انتخابِ چشم

ز رنجِ زندگانی دیده اندر بسکه بیتابم — بدار و کشته اند آخر طبیبان همچو سیمابم[۱]

یار تا قتل چنین باشد اگر همراهم — سفرِ ملکِ عدم را ز خدا میخواهم

تکیهٔ گوش پر از پنبهٔ غفلت کردم — چشم پوشیدم و خوابی بفراغت کردم

شد داغِ جنون تازه ز ترتیبِ دماغم — از روغنِ بادام برافروخت چراغم

مرا جمع است اسبابِ تعلق لیک آزادم — سراپا پنجه ام چون سرو، دامانی نمیگیرم

چو بستم نامه بر بالِ کبوتر بسته شد پایش — تو گوئی حلقهٔ دام است نقشِ مُهرِ مکتوبم

---

۱ بیمارم (۱۱۱) +

چشمِ خوبان از غبارِ خاطرِ ما روشن است | در سیه بختی شریکِ سرمه دان افتاده ایم

من[1] نه از زخمِ زبانِ دگران دلریشم | در فغان چون قلم از زخمِ زبانِ خویشم

جلوهٔ حسنِ تو آورد مرا بر سرِ فکر[2] | تو حنا بستی و من معنیِ رنگین بستم

از فکر تا سخن نشود قابلِ رقم | مانندِ خامه سر ز گریبان نمی کشم

بر لب چو آستین زده ام بخیهٔ سکوت | انگشت گر زنی لبم وا نمیشود

ترسم که شود آبله پائے فغان[3] را | این گریهٔ شوقی[4] که گره بستہ بگلویم

مرا زکس نبود چشمِ التفات غنی | زپشتِ آئینه پیدا ست صورتِ حالم

از کسے پنهان نمیداریم رازِ خود[5] چو شمع | هر چه در دل هست ما بر زبان می آوریم

---

۱ این شعر در (م ک) یافته نمیشود اما در نسخه های (ا ا)، و (ج)، و (ب ا) وغیره موجود است در (ب) عبارت ذیل هم درج عنوان این شعر است "وقت تیغ برای زخم زبان خود گفته"، ۲ نگر (ب ا)، ۳ فغانها (ا ا)، و (ب ا)، ۴ شوخی (م ک)
۵ خویشتن (ب ا) +

مرا چو آیینه تاب فراق آن مه نیست   پرید رنگ ز رویم چو رفت از پیشم

مگر در وصف چشمت نسخه خواهد که بنویسد   که نرگس را دوات و خامه و کاغذ بکف دیدیم

جان بلب از ضعف نتواند رسید   ما[۱] بزور ناتوانی زنده ایم[۲]

گرد گل سوز درونم چو سپند آخر کار   گشت فریاد بلندی نفس سوخته ام

ندارد تاب این[۳] دستم که پای نازکت گیرم   ز پا مے افتم از شوق و سر راه تو میگیرم

سپر انداخت[۴] به پیش لب لعل تو نگین   ما برین حرف بمهر همه محضر داریم

چراغ مجلسم نبود مرا تاب جدل باکس   اگر در پیش من دم میزنی خاموش میگردم

---

۱ من (م ک)، ۲ ام (م ک)، ۳ آن (ب ۱)، ۴ سپر انداخته پیش (۱۱)، و (ب ۱) +

موجِ فنا ندا دنجاتم ز فتنهٔ عشق　　مژگانِ چشم دام بود خارِ ماهیم

زشوخی[1] پشت بر من کردی و بر روئی آرم　　کنی بر[2] جانبِ ما پا دراز آن نیز بر دارم

نقشِ گنه ز اشکِ ندامت نگشت محو　　کردم سفید چشم و سیاه است نامه ام

مگر ز خارِ مغیلان تغافلے دیده است　　که چشمِ آبلهٔ پا پُر آب مے بینم

روشناسم چو مردمِ دیده　　گرچه از خانه بر نمے آیم!

طلب از من چه کنی دیوان را　　که بیاضے ست همه اشعارم

نماند از ضعفِ تن آخر بجز نامی نمن باقی　　نگینی می نماید گر نهند آئینه در پیشم

بسکه پُر آبست چون چشمِ ترم هر آبله　　رفته ام در گلِ فرو هر جا که پا افشرده ام

---

[1] این شعر فقط در (چ) و (ب) دیده میشود اما در (ب) این را بعضی هجو نقل کرده اند [2] گر (ب) +

گیسوی تو پیوسته کند میل به پستی   افگند بر و سایه مگر بخت سیاهم

تا چند چو گرداب بود چشم ترم باز   خوابِ سبکی همچو حبابست مرادم

رهینِ[1] منتِ گوشِ گرانِ خویشتنم   که تا بلند نگردد سخن نمی شنوم

هر چند شد تهی ز سیاهی دوانِ سر   مشقِ گنه هنوز چو اطفال میکنم

ندارم طالعِ آزادی از بندِ قفس هرگز   فتد در قبضهٔ بالش گر پرے میپرید از بالم

جامهٔ دیوانگی چون بر قدِ خود دوختم   بخیه ها از خارِ پا بر دامنِ صحرا زدم

در راهِ شوق[2] خواهم چون تیر پر برآرم   تا کے بر ندمردم همچون کمان بدوشم

---

[1] این شعر از "گلستانِ مسرت" اخذ شده است   [2] عشق آن مه (ب ا) +

داغِ افلاس چو ماهی دارم | خلق دانند که صاحب درمم

دیوار و در شکسته بود خانهٔ مرا | رنگش مگر ز رنگِ رخِ خویش ریختیم

ز مردم آنچه گرفتیم زود[1] پس دادیم | بنانِ خشک[2] قناعت چو آسیا کردیم

آب و رنگِ ما بعالم عاقبت گل میکند | بر زمین هر چند چون برگِ حنا افتاده ایم

چون میوه ایم در باغ بی بهره از تماشا | فصلِ بهار بگذشت وقتیکه[3] ما رسیدیم

هر پنبه که بر سرِ داغم نهد طبیب | بر دارم و فتیلهٔ داغِ دگر کنم

گر تیغ بر سرم رسد از جا نمی روم | لیکن چو کوه ناله ز زخمِ زبان کنم

ماندم برون ز مجلسِ یاران و آشنا | آخر چو حلقه بر درِ بیگانگی زدم

---

۱ باز (۱۱) ۲ خویش (۱۱) و (ب ا) ۳ تا در چمن (م ک) +

دهنت دمِ تکلّم سخن از عدم برآرد　　چو تو در جهان کسے را سخن آفرین ندیدم

ز پیری ریخت دندانم ندادم تن بهایِ[۱] حق　　ببازی آخر این تسبیح چون اطفال گم کردم

گشت چون رشتۂ عمرم کوتاه　　معنیِ سالگره فهمیدم

فرح بخش ست می چندانکه تا ساغر بکف دارم　　دهن از خنده دارد باز چون نرگس هر انگشتم

زبر دست اضطراب زیر دست آسودگی دارد　　برین معنی دو سنگِ شاهد از دو آسیا دارم[۲]

چنان از دمِ عشقِ او پریدن ننگ میدانم　　که رنگے گر ز رخسارم پرد محجوب میگردم

ردیفِ نون

هرگز شگفتگی نکند رو بسوی من　　زردی چو جام زر ببرد می ز روی من
چون شمع کس نکرد سرشکم ز دیده پاک　　هر قطره اشک آبلہ شد بروی من

۱ بذکر (ب ا)　۲ این شعر فقط در (ب ل) یافته میشود +

از دیده رفت و تا مژه در آب دیده ام — وقت است آب رفته در آید بجوی من

تار نفس ز رشتهٔ گوهر نشان[۱] دهد — از بسکه گریه گشت گره در گلوی من

چون تندی شراب که گردد ز آب کم — کی میبرد عتاب لب تند خوی من

در عرض اشتیاق چه حاجت بحرف و صوت — باشد چو خامه گریهٔ من[۲] گفتگوی من

گر بی تو دل بسیر[۳] چمن میکشد مرا — وا میکند نگه در حیرت بروی من

بسکه می پیچد بپاد آن سرین چون آستین — شد پر از چین عاقبت دامان زین چون آستین

دامن شادی و غم امروز در دست من است — خنده بر لب دارم و چین بر جبین چون آستین

پیچ و تاب ما چو بیند میکند پهلو[۴] تهی — هر که با ما میشود پهلونشین چون آستین

منکه امشب کامیاب از دستبوس او شدم — کی رسد پایم ز شادی بر زمین چون آستین

تا جدا از گوشهٔ دامان یار افتاده است — دست من بیکار شد در آستین چون آستین

عاقبت پر شد ز نقد داغ از امداد غیر — گرچه خالی بود دستم پیش ازین چون آستین

شد سوار و دامن از دستم کشید آن نازنین — رفتم از خود[۵] بعد ازین دست من و دامان زین[۶]

رفتی و شد در هوای دیدنت ای نازنین — مردم چشم بتان از سرمه خاکستر نشین

---

۱ دهن نشان (ب ا) ۲ گریه گره در گلوی من (د ا)، ۳ بسرخی می (ب ا) ۴ قالیب (ب ا) ۵ ها (د ا)، ۶ من (ب ا) +

با تو نزدیکم ولے دورم ز فیضِ عامِ تو — موم در زیرِ نگین خالی ست از نقشِ نگین

میشود چون دانه آخر سبز در باغِ جهان — بست غم گر آسمان زد حرفِ ما را بر زمین

زخمِ دندان بسکه خورد از حسرتِ لعلِ لبت[1] — پشتِ دستم را کسے نشناسد از روی نگین

خرمنم چون آشیان یکمشتِ خاشاکست و بس — دانۂ نبود درو جز تخمِ مرغِ دانه[2] چین

میکنم هرگاه از جانان نگاهے التماس — مے نهد بر دیده انگشت التفاتش را ببین

اعتبارِ پستِ فطرت یکدو ساعت بیش نیست — گرد آخر ته نشین در دے که شد بالا نشین[3]

شب که اختر شمرد تا به سحر دیدۂ من — کارِ انگشت کند هر مژه بر دیدۂ من

لشکرِ ضعفِ بصر تاخت مگر بر سرِ او — که ز عینک بکف آورد سپر دیدۂ من

مژه هر لحظه بهم بر نزنم چون مردم — در فراقِ تو زند دست بسر دیدۂ من

بسکه بر یادِ بنا گوشِ تو بگریسته ام — خشک گردید چو سوراخ گهر دیدۂ من

هست در خوابِ خوش[4] مستی غفلت شب و روز — مژه را بالشِ پر دیده مگر دیدۂ من[5]

تا نگه را بنگاهِ تو نماید پیوند — کرد از هر دو جهان قطعِ نظر دیدۂ من

خلوتے در انجمن دارم که چون موی میان — در میانم لیک از من کس نمی یابد نشان

---

۱ لبش (ب ا)، ۲ خوشه (ب ا)، ۳ بالا شد (م ک)، ۴ خوش از مستی (ا ا، و چ) و (ب ا) خوش مستی (م ک) ۵ از مژه بافت مگر بالشِ پر دیدۂ من (م ک) +

بسکه جز گردِ کسادی نیست ما را در دوکان — میدهد از شیشهٔ ساعت دکانِ ما نشان

گر سخن از خود نداری به که بر بندی دهان[1] — آب کی چون خامه رانی حرفِ مردم بر زبان

جای خود چون مهرهٔ شطرنج خالی میکنم — دشمنِ ما گر[2] شود در خانهٔ ما میهمان

موی چون از سر جدا گردد[3] نمیگردد سفید — عیشِ غربت مرد را پیوسته میدارد جوان

سنبلِ زلفِ تو آخر پنجه از شمشاد برد — شانه میگوید بگوشم این سخن با صد زبان

میکند پهلو تهی از بینوایان آسمان — در بغل هرگز نگیرد تیرِ بی پر را کمان

جستن و جو از بهرِ روزی باعثِ شرمندگیست — زین خجالت آسیا انگشت دارد در دهان

آبروی خویشتن در مطبخِ دونان مریز — چوب نتوان خورد چون آتش ببوی[4] آب و نان

سوی ما باشد نگاهش گرچه یار از ما گذشت — تیر از سوفار دایم چشم دارد بر کمان

کامیاب از جام[5] وصلت غیر و من از رشکِ داغ — آب میگردد مرا در دیده او را در دهان

جمع کردم مشتِ خاشاکی که سوزم خویش را — گل گمان دارد که بندم آشیان در گلستان[6]

دشمنش[7] تا زود از جان بگذرد در وقتِ جنگ — بست دستش پل بروی آبِ پیکان از کمان

باسبکساران غنی پیوسته همراهی گزین
ره بساحل می برد کشتی بزورِ بادبان

۱؎ زبان (م ک) گر سخن از خود نداری لب به بند از گفتگو (ب ا) ۲؎ می (م ک) و (ب ا) ۳؎ افتد (ب ا) ۴؎ برای (۹ ا) بجای (ب ا) ۵؎ باغ (ا ا) و (ب ا) ۶؎ در گلشن آشیان (ا ا) و (ب ا) ۷؎ دشمنِ ما (ا ا) +

گر چراغِ حُسنِ او روشن شود در انجمن — در دهان انگشتِ شمع از شرم میگیرد لگن

سگ زند پهلو بمن مجنون که در خاکِ جنون — سنگِ طفلان شد مرا چون استخوان جزوِ بدن

از تغافل حرفِ ما نشنید ما شرمنده ایم — یار را انگشت در گوش است ما را در دهن

گر فلک کار ترا بر هم زند از جا مرو — جامه را خیّاط سازد قطع بهرِ دوختن

در محبّت عشقبازان میکنند امداد هم — سنگِ طفلان بهر مجنون میتراشد کوهکن

خاک پیری تا بکی چون شیشهٔ ساعت غنی
نقد او فانی که گم شد باز نتوان یافتن

کشادِ کارِ خود نتوان طمع از آشنا کردن — کجا ناخن تواند بند از انگشت وا کردن

توانگر را نزیبد لب بخواهش آشنا کردن — که بی دستِ تهی پر بد نما باشد دعا کردن

باستغنا گذشتن از جهان آسان نمی باشد — بود دشوار قطعِ راهِ دور از پشتِ پا کردن

غریبی بر بساطِ دهر همچون مُهرهٔ شطرنج — برای خانهٔ تا کی جنگ با همسایها کردن

اگر باشد غنی همچون کلیدم خانه از آهن
شود ویران اگر خواهم درو یک لحظه جا کردن

چون شمع رسد گر سرِ سرکش به بریدن — هرگز ندهد تن بتواضع[1] ز خمیدن

بلبل بادب باش کز افشاندنِ بالت — رنگ از رخِ گل میکند آهنگِ پریدن

---

[1] ز تواضع بجمیدن (ب۱) و (ر) +

بیتابیِ شوقم زمدا واشود افزون | چشمِ زَبَرِ کاہ[1] دہد دادِ پریدن
شد بستہ بہ پستانِ صدف شیر کہ ہرگز | طفلِ ہوسِ من ندہد تن[2] بہ مکیدن

مشہور شد از خامہ بہر سو سخنِ من | باشد ز سیاہی گلِ شبّو سخنِ من
زیبد کہ بہ تسخیرِ جہان چشم[3] کشاید | دارد ز قلم قوّتِ بازو سخنِ من
از فکر گریزندہ بود طبعِ روانم | رو ساز داز آئینہ زانو سخنِ من
تا طبع مرا در نظر آن چینِ جبین است | بگذشت از آن مصرعِ ابرو سخنِ من

از سختیِ زمانہ لبِ شکوہ وا مکن | بر سنگ اگر چو سایہ بیفتی[4] صدا مکن
آخر زدستگیر بجائے نمی رسی | چون آسیا طواف بگردِ عصا مکن
مکشا[5] بہ بزمِ بو الہوساں بندِ جامہ[6] را | بر خود زبانِ طعنۂ اغیار وا مکن
شعرت بہیچ دل نزند ناخن اے غنی | بند از زبانِ[7] خویش چو انگشت وا مکن

عاجز شدست دستم از بیش و کم گرفتن | نرسم شکستہ گردد آخر ز خم گرفتن
از بس ز وبازوی من از درد سر گرانند | ساغر نمیتوانم از دستِ جم[8] گرفتن

---

[1] مژگان دہد آواز (ب ا) [2] لب (ب ا) [3] دست (ب ا) [4] نیفتی (ب ا) [5] بکشا (م ک) [6] خامہ (ب ا) [7] دہان (ب ا) [8] ہم (م ک) +

از ضعفِ دست با من گیرائیے نماند است | آخر چسان توانم راهِ عدم گرفتن
با شغلِ خاکساران از سیرِ باغ فارغ | بر سبزہ کے تواند نقشِ قدم گرفتن

بیا ساقی شبستانِ مرا امشب منوّر کن | ز روزن تا برآید[1] آفتابم می بساغر کن
گلِ بیچارہ[2] گلزارِ خموشی چید نمی دارد | زبانِ گفتگو را ہمچو نافرماں پسِ سر کن
ز گردابِ تعلّق چند در کامِ نہنگ افتی | قلندر باش اگر خواہی[3] بکشتی سیر[4] در بر کن
غنی فصلِ بہار آمد گلِ عیشے تواں چیدن | بروں آور چو نرگس زر[5] ز خاک و صرفِ ساغر کن

بنار درمسک از ہمیاں چو مرغ از بیضہ زر بیروں | ازیں غافل کہ آرد زر ز شوق خرج پر بیروں
بپرید از بادِ پیغمت بسکہ رنگ از چہرۂ خونم[6] | سفید آمد چو ماہی از تنِ من بیشتر بیروں
بسر بردم غنی ہر چند عمرِ خود بمکتب ہا | نیاوردم ز خطِّ سرنوشتِ خویش سر بیروں

درزمینِ طرح از ما سر گردد کم سخن | حرفِ خود از سادہ لوحی بر زمین نتواں زدن
کے تواند شد ز دنیا چشمِ دنیا دار سیر | تشنگی زائل نگردد ہرگز از آبِ دہن
چارہ سازان ہم ز دردِ خود[7] غنی بیچارہ اند | کے تواند بخیہ زد سوزن بزخمِ خویشتن

۱؎ برآید تا زر وزن (د ا) ۲؎ این شعر در دو بیتی ہم موجود ہست و اینجا مصرعۂ ثانی بنظر میاید شرع زبان را ہمچو نافرماں لبِ پس سر مقید کردن ۔
۳؎ وا ار (م ک) ۴؎ شہر (م ک) ۵؎ سر ز خاک (د ا) ۶؎ ردیم (د ا) ۷؎ بکارِ خویشتن بیچیدہ اند (د ا) بکارِ خود بسے بیچارہ ماند +

با[1] زبانِ حال گوید شمع در هر محفلے — دردِ سر بسیار دارد صاحب افسر شدن
بهر کشتِ زندگانی خواهد آخر ژاله شد — میخورم صد حسرت از پیری که دندان ریختن[2]
همچو سقفِ خانهٔ فانوس از دودِ چراغ — آسمان از دودِ آهِ ملبسه خواهد شدن

در جنون بیهده گردی نبود پیشهٔ من — بید مجنونم و زنجیر بود ریشهٔ من
بسکه دارد سرِ پیوند بخم هایِ شراب — ریشه چون سرو دواند بزمین شیشهٔ من
خسته از ناخنِ بیداد نسازم جگرے — خونِ لعل از رگِ خارا نکشد[3] تیشهٔ من

با سر بر[4] هنگانِ جهان تا نشسته ام — آفگنده ام کلاه ز شادی بر آسمان
مردم حنا زلب که شبِ عید بسته اند — ماهِ نو ست ناخنِ بے رنگ در جهان
یک میل در میان ز ادب ایستاده ست — کے میرسد بچشمِ بیاد تو سرمه دان

به صیاد[5] از پرِ خود نامه خواهم فرستادن — ازین ره میتوان خود را بیادِ تیر او دادن
چراغِ هستیِ ما از دمِ شمشیر مے میرد — بیاد دامنے چون شمع نتوانیم جان دادن

---

[1] این سه شعر درضمن فردیات انتساخ شده بود [2] سخن (م ک)، [3] نکند (م ک)، [4] بر (م ک)، و (ب ا)
[5] این شعر درضمن ردیف دال هم درج است اما ترتیب مصرعه ها عوض شده است +

چو مژگانهای خوش چشمان غنی زیباست از رندان | ز مستی بر در میخانه بالای هم افتادن

در چشم اهل بینش آخر سبک در آئی | گر چون حباب خواهی بر روی آب[1] رفتن

جائی که باده باشد گو محتسب بنیابد | شب گرد را نزیبد در آفتاب[1] رفتن

جائی که نفع نبود اندیشهٔ ضرر نیست | کی از شراب باشد بیم در آب رفتن

چو بزم افروز صنع خویش گردد قدرت بیچون | چراغ برق را در باد و باران میکند روشن

ز مضمون دزدی یاران نمیباشد غنی ما را | چنان بستیم مضمون را که نتواند کسی بردن

براه[2] جستجوی او قدم فهمیده نه سالک | که موسی بی عصا این راه نتوانست طی کردن

ببزم[3] نکته سنجان سرخروئی از سخن دارم | پر در نکتم چو دزدی معنی رنگین برد از من

هموار گردد از فقر هر جا درشتخوئیست | نقش حصیر باشد بهتر ز موج سوهان

دیدم که نکته سنجان دزدند شعر مردم | من نیز شعر خود را دزدیدم از حریفان

گشتیم زنده در گور از بس درین غم آباد | کردیم خاک بر سر در ماتم عزیزان

---

[1] بر روی آب (م ک) ولیکن " در آفتاب " مطابق (ا ا)، و (ج)، و (ب ا) است [2] برای (د ب ا)، [3]

در (م ک) ردیف میم شامل این شعر است. درینجا ترتیب مصرعه ها عوض شده است .

گر شوی قانع در رزقِ تو وا خواہد شدن	بر شکم سنگے[1] کہ بندی آسیا خواہد شدن
گر اثر دارد نسیمِ آہِ گلچینانِ فصل[2]	غنچہ گوی گریبانِ تو وا خواہد شدن

چو سرمہ دان کہ گذارند میل در دہنش	سپہر سرمہ مرا داد بیشتر بزباں[3]
ز شعرِ من شدہ پوشیدہ فضل و دانشِ من	چو میوۂ کہ بماند بزیر برگ نہاں

بادامِ تر شدم بہ محشر	گفتند در آفتاب بنشیں
در دیدۂ من نہاں ز مردم	اے راحتِ جان چو خواب بنشیں

از دل خوش سنت در غمِ جاناں گریستن	نتواں چو خامہ از سرِ مژگاں گریستن
آبِ حیات پیشِ لبت[4] خونِ مردہ ایست	باید بحالِ چشمۂ حیواں گریستن

چشمِ ہر کس کہ شد از سرمۂ عرفاں روشن	آتشِ طور ز ہر سنگ تواند دیدن
مے بر دہ بکمالِ آدمِ خاکی ز سفر	مبشود کاسۂ گلِ ساختہ از گردیدن

---

[1] بندی اگر سنگ (ب ۱، [2] وصل (ب ۱، و ۱۱ (۱) [3] ز زباں (۱ ۱) [4] لبش (۱ ۱) +

گُلِ بیچارِ گلزارِ خموشی چید نی دارد — زباں را ہمچو نافرماں پسِ سر منزوان کردن
غنی طرحِ سخن خود کن اگر میلِ سخن داری — چرا باید تصرّف در زمینِ دیگران کردن

بسانِ مہرۂ تسبیح در سیر و سکوں دائم — بدستِ دیگری باشد عنانِ اختیارِ من
چناں گردید دامنگیر گردِ غربتم طاہر — کہ ریگِ شیشۂ ساعت بود خاکِ مزارِ من

بیا[1] و قصدِ جانِ عاشقاں کن — کماں را زہ کن و زہ را کماں کن

کام مجو از فلکِ نیلگوں — مے زخمِ نیل نیاید بروں

نگیرد در حلاوت قند جای نغمۂ شیریں — کہ نے ترکِ شکر کرد از برای نغمۂ شیریں

بود ہر جا خرامد[2] قامتِ آن نازنیں موزوں — کہ باشد مصرعِ سروِ سہی در ہر زمیں موزوں

حاجت بقیدِ دیگر نبود برای مجنوں — گردید شاخِ آہو زنجیرِ پای مجنوں

۱؎ بیا و قصد جاناں (ب ۱) ۲؎ کہ خواہد (ب و) +

هر لحظه آستیں نهد از ناز بر جبیں[1]   دارد همیشه چینِ جبیں را در آستیں

سحرِ غافل و هشیار نباشد یکساں   نفسِ خفته و بیدار نباشد یکساں

از سوزِ دل نویسد حرفے چو خامهٔ من   چوں لاله داغ باشد مضمونِ نامهٔ من

بوصفِ زلفِ خوباں شد تمام آخر بیانِ من   کنوں بیروں نمی آید بجز مو از زبانِ من

ز پیری چناں گشته ام ناتواں   که دنداں بجنبند جای زباں

مو[2] گشت سپید و ریخت دنداں   در صبح شود ستاره پنهاں

چند ز جورِ آسمان بار بود بدوشِ جاں[3]   کهنه قبای تن که هست پنبه اوز استخواں

۱ه زبیں (ا ا) ۲ه شد موی (پ ج)، ۳ه من (ص، ل) +

در محبّت از خرد بیگانه می باید شدن　　هر کجا طفلے بود دیوانه میباید شدن

نے[1] گل بچمن نہ بلبل ست این　　خاکستر و آتشِ گُل ست این

دہر روح دگر تیغ تو در تن　　سرم بردار و منّت نہ بگردن

خیر[2] آمدنِ لشکرِ خارست بدشت　　خیمۂ آبلہ گردست دہر پا کُن

بزمِ بوالہوسان بندِ جامہ باز مکن　　زبانِ طعنِ حسوداں بخود دراز مکن[3]

دست کہ گیرندہ نیست بہر سخی خنجر ست　　پنجۂ مرجاں کند در جگرِ بحر خون[3]

لافِ موزونی زند مانندِ سرو　　ہر کہ خواند صفحۂ از بوستاں

---

[1] نہ گل نہ چمن (ج)، و (ب ۱) [2] این شعر در نسخہ ہای (ا ۱)، و (ج) و (ب ۱) موجود است ولے صاحب "شمع انجمن" این شعر را بمیرزا قتیل نسبت دادہ است و این اشتباہ است زیرا کہ نسخۂ (ا ۱) بیش از قتیل استنساخ شدہ است [3] این اشعار در (ک) یافتہ نمیشوند اما در (ا ۱) و (ج) موجود اند +

فانوس وار خانه ام از آب و نان تهی است — روزی خورد ز پهلوی خود میهمانِ من

بوصفِ کاکل و زلفِ بتان گرفتاریم[1] — چه داغها که نهان نیست در زمینِ سخن

حرص اگر[2] غالب شود خلوت گزینی مشکل است — تشنه چون[3] گردد زبان از کام می آید برون

ز چشم عیب بین عیبی نمایان تر نمی باشد — بپوشان[4] چشم خود از عیب و خود را عیب پوشی کن

این جهانِ گذران جای فراغت نبود — خواب در خانهٔ زین کس نتواند کردن

از بسکه شعر گفتن شد مبتذل درین عهد — لب بستن است اکنون مضمونِ تازه بستن

ممنونِ دستِ کوتهِ خویشم که پیشِ کس[5] — بیرون نکرد سر ز گریبانِ آستین

داغ نتوان بر سرِ آن سبکرو سوختن — هیچکس در باد نتواند چراغ افروختن

---

[1] گرفتارم (ا)، [2] چوں (ب ا)، [3] می (پ ا)، [4] بپوش از عیب مردم چشم خود را عیب پوشی کن (ب ا)، [5] ازین (ب ا) +

دستار[1] پریشان شده بالای سرش　　بر شاخِ گل است بلبلی بال‌فشان

به پیشِ چشمِ تو نرگس سپر[2] ز برگ انداخت　　چو دید[3] جمع سپاهیِ لشکر از مژگان

باکه سنجم غنیِ درسبکیِ خویش[4] را　　سایهٔ من بس بود سنگِ ترازوی من

چشمِ بد[5] ز کس نبود چون صدف مرا　　فیضی مگر[6] ز عالمِ بالا رسد به من

ز خوی نرمِ خودم در[7] شکنجِ سخت دلان　　بسانِ مومم که جایش بود بزیر نگین

ردیفِ واو

خواهی دلت کشاده شود، و[8] سکوت جو　　غیر از دهن دگر چه کشاید ز گفتگو

پیدا نبود صورتِ شیرین ز بیستون　　خارا ز سختِ جانیِ فرهاد ساخت رو

---

[1] این شعر هم از گلستان مسرت ماخوذ میباشد [2] بر سپر انداخت ...... (ا ۱)، مگر سپر انداخت (ب ۱) [3] که دید جمع سپاهی لشکر مژگان (ا ۱)، [4] خویشتن (ا ۱)، [5] کرم (ب ۱) [6] دگر (ب ۱) [7] شکست (ا ۱)، و (ب ۱)، [8] رو سکوت کن (ب ۱) +

رفت[1] و کسی ندید از و نقشِ قدم بهیچ سو　　رنگِ پریده ام مگر بود حنای پای او

گه نظر بر غیر دارد گاه بر ما چشمِ او　　بسکه بیمار[2]ست می افتد بهر جا چشمِ او

ردیفِ های هوّز

سیلی تخوری تا ز کفِ اهلِ زمانه　　چون مهرهٔ شطرنج مرو خانه بخانه
هر چند تغافل کند ایمن مشو از خصم　　پیوسته بود پشتِ کمان سوی نشانه
از توشهٔ ره بگذر و سرگرمِ سفر باش[3]　　چون مور منه بر سرِ پاکُنده ز دانه
از رشک کند بادِ صبا بر سرِ خود خاک　　در زلفِ تو شد بند مگر ناخنِ شانه
شمشاد کند شانه برون از بغلِ خویش　　تا دست بزلفِ تو رساند به بهانه

با خطّ سبز آخر نقشِ لبش نشسته　　هر چند جای مِی بنبهت در شیشهٔ شکسته
چین بر رخم[4] چو افتاد رنگم پرید از رو　　مشکل که رام گردد مرغِ ز دام جسته

بسکه پیچد در گلویم[5] بی تو هر شب دودِ آه　　شد گریبانم چو طوقِ گردنِ قمری سیاه
غافل[6] از سرمایهٔ دنیا ندارد بهره　　هر کرا مغز است در سر نیست پیچش در کلاه

---

۱ رفته و کس (ب ا)، ۲ مست که بار (ا ا)، ۳ شو (ب ا)، ۴ رخش (م ک)، ۵ بی تو هر شب در گلویم (ب ا)،
۶ غافل از دنیا ندارد بهره سرمایه (ب ا)، غافل از سرمایهٔ دنیا ندارد بهره (م ک)۔ +

خوشا روزیکه اسبابِ طرب را بینیم آماده　　بنا شد جز کدوئے ساز ظرفے خالی از باده

از بسکه وصفِ چشمِ سیاهِ تو کرده ام　　آخر چو میلِ سرمه مرا شد زبان سیاه[1]

تکمه نبود که سر از جیب برون آورده　　جامه ات گوی ز پیراهنِ یوسف برده

داغم از چرخ که چون نامهٔ اربابِ گناه　　روی ما را بگناهِ دگران کرد سیاه

مصحفِ[2] رخسارهٔ او را نشانِ آیه ماست　　یا برای بوسه جا کرد انتخاب از آبله

نبود بلند و پستی در شعرِ موشگافان　　یکدست باشد آرے انگشتهای شانه

ردیفِ یای تحتانی

بگلشن بنگر ابر دیدهٔ ما ریخت بارانی　　که گردید آشیانِ عندلیبان چشمِ گریانے

شود در کنجِ فقر[3] از خنه های بوریا روشن　　که دردِ خاکساران را نباشد هیچ درمانے

---

[1] این شعر فقط در (دیج) یافته میشود [2] این شعر منجملهٔ منتخبات "گلستان مسرت" است [3] فقرا (دم ک)

بیا در دیده‌ام بنشین اگر آبِ روان خواهی — که از چشمِ ترم جوئیست هر چاکِ گریبانی

چه خوش بالیده است از گریه بر خود مردمِ چشمم — فتاده در میانِ آب گویا تخمِ ریحانی

نشد از جانکنی‌ها[۱] ناخنِ من بند در جائی — زدم چون شانه آخر دست در زلفِ پریشانی

دلم چون گرد باد از کوچه گردیها بتنگ آمد — برقص آیم چو یابم[۲] رخصتِ سیرِ گلستانی

غنی در فصلِ گل تا کی بکنجِ خانه بنشینی
سری چون خار بالا کن ز دیوارِ گلستانی

مگر سوده جبینِ خویش بر خاکِ تهِ[۳] کوئی — که از پیشانیِ مه نیست پیدا غیرِ ابروئی

ز آبادی نمی‌آید مرا از خشک و تر بوئی — که می‌بینم چو کشتی تهی از آب هر جوئی

مگر خواهد[۴] بما سنجید مجنون را چنین روزی — که از زنجیر می‌بینم در دستش ترازوئی[۵]

کبابِ آتشِ عشقم ندارم هیچ دلسوزی — که گرداند مرا هر لحظه از پهلو[۶] به پهلوئی

نمی‌بینم نهالی سایه افگن بر سرِ مجنون — مگر گاهی که بنشیند بزیرِ شاخِ آهوئی

غنی دیوانهٔ عشقم ندارم هیچ سامانی
نگه میدارم از سرمایهٔ دنیا همین موئی

بار در چشمِ من و روشن ازو انجمنی — او چو شمع است درین مجلس و من چون لگنی

---

۱ جا نگیها (ب ا)، و (م ک)، جان کنیها (ج)، و (ا ا) ۲ پایم (ب ا)، و (م ک)، ۳ سیر (ا ا)، و (ب م)
۴ خواهند چون (ب ا)، ۵ در (ب م)، مصرعهٔ ثانی بدین طور میباشد ع که چون زنجیر در دستش
نمی‌بینم ترازوئی ۶ پهلوئی به پهلوئی (م ک) +

بود سرمایۂ من جامہ و جانے آخر | جان گرو و جامہ گرو کردہ خریدم[1] کفنے
چہ عجب طبعم اگر دعوی اعجاز کند | کہ بلطفِ سخنم نیست کسے را سخنے
بسکہ در دورِ جمالِ مہِ من گشت سبک | یوسفِ مصر در آمد بنظر پیرہنے
شمعِ فانوس ہنم لیک زبے سامانی | غیرِ دیوارِ سرا نیست مرا پیرہنے[2]

سنگ در کوچہ و بازار کمی کرد غنی
من مجنوں چہ کنم گر نبود کوہ کنے

ہست از خار نگر دامنِ صحرا خالی | کہ نگردید دلِ آبلۂ پا خالی
عزتِ[3] شاہ و گدا زیرِ زمیں یکسان است | میکند خاک برابر ہمہ کس جا خالی
چشمِ تعظیم ازیں بیخبراں نتواں داشت | بہرِ کس[4] جا نکند صورتِ دیبا خالی
شمعِ فانوس ہنم لیک زبے سامانی | شد میانِ من و پیراہنِ من جا خالی
در غم[5] آبادِ جہان نیست بہم عیش مدام | گشت تا جام پر از مے شدہ مینا خالی

ہر گاہ چو سوزن بہم روی براہے | مے افگندم طالعِ برگشتہ بچاہے
پروانہ ز ظلمت نبرد راہ بمقصود | آن کیست کہ شمعے بنہد بر سرِ راہے
بے مہرِ رخت بسکہ با شکم سر و کار است | شد مردمکِ دیدۂ من ابرِ سیاہے

---

۱ گرفتم (م ک)، خریدم (ج)، و (ا)، ۲ در (ج)، این شعر در ردیفِ یا، ہم استنساخ شدہ اما در نسخہ ہای دیگر ردیف الف نقل شدہ است و مصرعۂ آخر بدیں طور میباشد ؏ جز دیوارِ سرا پیراہنے نیست مرا ۳ غربت (ب ا) و (م ک) ۴ جا بہر کس ندہد (ب ا) +

پیکِ سرشک کردم دنبالِ بخت راهی — کز چشمِ من ربوده هم خواب هم سیاهی
یک تن درین زمانه بی داغِ ماتمی نیست — گردیدم سیرِ عالم از ماه تا بماهی
ایمن مشو ز دشمن گرچه با تو همرنگ — آتش که خصمِ کاه است دارد لباسِ کاهی

پریشان حالم و افتاده در پایِ تغافل غیبت — توان گاهی فرستادن بدستِ زلف پیغامی
بگوشم این صدا از مقریِ تسبیح می آید — که صد دل مضطرب گردد چو یکدانه بدر آید
شدم از اختلاطِ زلفِ او مشهور در عالم — برآوردیم آخر از سیاهی چون نگین نامی

ما ندیدیم درین باغ ز کس روی دلی — غنچهٔ کو که توان دید درو[1] بوی دلی
نیست در قافلهٔ سنگدلان غیر جرس — سینه چاکی که درو[2] دید توان روی دلی[3]

سالک نرسد بی مددِ پیر بجائی — بی زورِ[4] کمان ره نبرد تیر بجائی

چشمِ خود را تا بکی بر رزقِ مهمان می نهی — از طمع چون آسیابان بر سرِ نان می نهی

---

[1] از او (ب ا)، [2] از او (ج)، [3] سینه چاکی کو توان دید درو روی دلی (ا)، [4] جور (م ک) +

از چشم بچشمے جهد آن آهوی وحشی | که گورکنان میبرد آن آهوی وحشی [1]

قانع شدم ز لذتِ دنیا باندکے | خواب و خورش چو مردمِ چشم بود یکے

در بزم می نباشد تسبیح را ظهورے | نبود ستاره ما را در آفتاب نورے

دوختم از بسکه [2] چشم خویش را بر جام مے | می نماید در نظر چون کاسهٔ سر جامِ مے

تا زد آئینه دم از عشقِ تو مردم از رشک | ضعف نگذاشت که از سینه بر آرم نفسے

چون خضر کام دل ز حیاتِ ابد گرفت | هر کس که تن نداد باظهارِ زندگی

از بس لباسِ خود را رهنِ شراب کردیم [3] | چون شیشه نیست ما را جز دست و آستینے

---

[1] مصرعهٔ آخر مطابق (ا ا)، بیاض شده ولے در (م ک) بدین طور است:۔ پی گورکنان میبرد آن آهوی وحشی [2] از بس دو چشم (ب ا) [3] کردم (م ک)، و (ب ا) +

یوسف[۱] رخے در آید شاید بدیدهٔ من — مانندِ چاهِ کنعاں دارم براه چشمے

در فکرِ آشنائیِ اہلِ سخن مباش — باید که خویش را به سخن آشنا کنی

اندامِ تو در رعشهٔ پیری و تو غافل — شد زلزله برخیز و ازین خانه بروں آی

خوش[۲] آن ہمایِ طبیعت که چون کند پرواز — برد بمغزِ سخن پَے ز استخواں بندی

اے دلبر از تغافلِ تو بید لبم ما — گر دل بما نمی دہی از ما چه مے بری؟

سپند[۳] آسا مرا گر پیشِ خود در آتش اندازی — ازاں بهتر که دور از خویش چوں چشمِ بدم سازی

مدّتِ شادی و غم نسبت برابر یکجهاں — گریهٔ شمع ستی خندهٔ صبح ست دمے

دیده[۴] در رخسارِ خوباں[۵] دوختن خوش دلنشت — کاشکے[۶] مژگانِ من چشمے چو سوزن داشتے

۱؎ این شعر در (ا۱) و (ب۱) موجود است و در "گلستانِ مسرّت" نیز نقل شده است. امّا در انجا بجی "براه چشمے" "تجشنه راہے" است ۲؎ خوشا (ب۱) ۳؎ این شعر در (ج)، و (ا۱) و (ب۱) موجود است. امّا در (م ک) نیست ۴؎ بر (نسخهٔ آگره (ایشیاٹک ۵؎ جاناں (ب۱) ۶؎ کاش ہر (ا۱)، و (ب۱)، و (م ک) +

دیوار و درِ خانۂ ما گرچہ زہم ریخت   صد شکر کہ در خانۂ[1] ما نیست غبارے

تا بروی پُل نشستہ بر دکانِ جوہری   می نماید چوں نگینی بر سرِ انگشتری

پروانہ عبث پر زدہ بر گردِ رخِ شمع   در پیشِ رخت شمع بود پر زدہ روے

عیبے[2] ست نمایاں سخن حق[3] نشنیدن   در گوش بود پنبہ چو در دیدہ سفیدی

ہر ساغری کہ بود پُر از می شد و ہنوز   گوید حبابِ بادہ کہ خالیست جای می

زیباست خوی آتش اولادِ بولہب را   تو ابنِ بوترابی باید کہ خاک باشی

چناں نام من روشناس ست در ہند   کہ نقشِ نگیں در میانِ سیاہی

۱؎ خاطر (ب ا)، ۲؎ عیب (ب ا)، ۳؎ کس (ب ا) +

غنی ز صدر نشینی گذشتم و شادم | که هر کجا که روم هست جای من خالی

رباعیات

ضعف تو بدل شکست پیکان ما را | صد کوه الم نهاده بر جان ما را[1]
هرگز نشنیدیم[2] که مو درد کند | درد کمر تو ساخت حیران ما را

گرد است هوای هند دلگیر مرا | ای بخت[3] رسان بباغ کشمیر مرا
گشتم ز حرارت غریبی بیتاب | از صبح وطن بده طباشیر مرا

تا فقر شده مقیم کاشانهٔ ما | از گرد امل تهی ست ویرانهٔ ما
رفتن بدر خانهٔ مردم عیب ست | امروز[4] که فاقه هست[5] در خانهٔ ما

از بسکه گلی نبود در گلشن ما | خاری نزد[6] دست در دامن ما
از چشم بد برق نترسیم[7] که سوخت | مانند سپند دانه در خرمن ما

---

۱ این رباعی در ذکر درد کمر معشوق است (ج)، ۲ نشنیده‌ام (م ک)، ۳ باد (ب ا)، ۴ هرچند (ا)، ۵ است (ب ا)، ۶ برداشت دست از دامن ما (ا)، ۷ خلق برستیم (ا)، +

ای برده فرو در لبِ نان دندان را　　از سیر خوری کرده مکدّر جان را
تا نیست چو صبح اشتهایت صادق　　زنهار که در پیش نگیری نان[۱] را

ایدل نخوری فریبِ اربابِ دغا　　غافل نشوی ز دشمنِ دوست نما
هر چند[۲] که آستین نماید فانوس　　در کشتنِ شمع باشدش دستِ رسا

کی سیر ز انعام شود چشمِ[۳] گدا　　جز فقر ندارد مرضِ حرص[۴] دوا
آنرا که کند[۵] چشم پریدن بیتاب　　خوشتر بپرِ کاهی بود از بالِ هما

بازارِ نمد پوشی اربابِ ریا　　گرم است گر امروز نباشد فردا
زاهد که ز بوریا بدعوی برخاست[۶]　　چون شعلهٔ خس زود نشیند از پا

افتاده ام از درش[۷] ز دردِ اعضا　　گوشا گردی که مالد اعضای مرا
می مالبدند نام استادان　　ای کاش که گوش میشدم سرتا پا

---

۱ جان (م ک)، غلط است ۲ .... نماید آستین چون فانوس (ب ۱)، ۳ دستِ (م ک)، چشمِ (ب ۱)، و (۱۱)، ۴ عشق (۱)، و (۱۱)، و (ب ۱)، ۵ بود (ب ۱)، ۶ آراست (۱۱)، ۷ درش (م ک) +

دارم دردی که هست جانکاه مرا   باشد ای کاش عمر کوتاه مرا
هرچند که نیست مهلک این کوفت ولے[1]   دائم تا مرگ هست همراه مرا

بی‌فهم[2] اگر چشم بدوزد بکتاب   نتواند دید روی معنی در خواب
کی غور کنند در سخن بی‌مغزان   غوّاصی بحر نیست مقدور حباب

بسمل هست[3] ز شوق کلبه‌ام[4] گرم شتاب   آرام بباد داده این خانه خراب
تا بر لب کشتیم زند بوسه هنوز[5]   میگردد آب در دهان گرداب

خواهد دلم از سوز درون گشت کباب   کی کم شود از سعی طبیب این تب و تاب
از سوختن ایمن ننشیند هرچند   در پای چنار باغبان ریزد آب

ای در طلب کمال سرگرم شتاب   در صورت کس مبین و معنی دریاب
هرچند عقیق هست با آتش همرنگ   دارد بدهان تشنه خاصیّت آب

---

۱ درد (م ک) ۲ چشم (ب ا) ۳ شد سیل (ب ا) ۴ گریه (ا ا) ۵ بوسه سر (ب ا) +

طفلیم بجای شیر نوشیم شراب | پستان بلب ماست حباب می ناب
مارا بنود بغیر می نوشی[1] خواب | گهوارهٔ ماست کشتی عالم[2] آب

افسوس که رفت نشئهٔ عهد شباب | سرخوش نشدیم یکدم از بادهٔ ناب
از بهر تماشای جهان همچو حباب | تا وا کردیم چشم رفتیم بخواب

[3] تا از رخ خود گشاده این چشمه نقاب | آید بنظر چشمهٔ خورشید سراب
برآب روانش بنود چشم حباب | چشمی است که خضر دوخت از شوق برآب

[4] شد زال فلک از خنکی گرم عتاب | برد از رخ خوبان چمن رنگ شباب
موی سر سرو گشت از برف سفید | دارد ز سیه بهانهٔ امید خضاب

[5] هوش است که سرمایهٔ صد درد سر است | فارغبال آنکه از جهان بیخبر است
در بیضه نمی کنند مرغان فریاد | هر چند که بیضه از قفس تنگتر است

---

۱ بی هوشی (ا)، و (ب ا)، ۲ بر سر آب (ب ا)، ۳ در تعریف چشمه سار - این رباعی در (م ک) یافته نمیشود لیکن در (ج)، و (ا ا)، و (ا)، نقل شده است ۴ این رباعی فقط در (ا)، یافته میشود ۵ هوس (ب ا) ؛

صد شکر که گلشنِ صفا گشت تنت　　صحّت گُلِ عیش ریخت در پیرهنت
تب را بغلط بر نوره افتاد کنون　　مشتی عرقی گشت و چکید از بدنت[1]

در گوشهٔ بی تعلّقی[2] جایِ دل است　　وارستهٔ همیشه در تماشایِ دل است
کشتی چو قلندران به پهلو بندیم　　آری که هوایِ سیرِ دریایِ دل است

برخیز غنی هوایِ فروردین است　　می نوش که وقتِ باده خوردن این است
فصلی است که آشیانِ مرغانِ چمن　　از کثرتِ گل چون سبدِ گلچین است

در باغ صبا[3] چو تخمِ سرسبزی کاشت　　خاری به سرِ راهِ تماشا نگذاشت
نرگس بهوایِ دیدنِ صحنِ چمن　　از روزنِ چشمِ خویش کاغذ برداشت

خورشیدِ رخِ یار مرا منظور است　　غم نیست گر از دیده سیاهی دور است
چون ماه بود به عکسِ مردم حالم　　تا نیست سفید چشمِ من بی نور است

---

۱ این رباعی فقط :- (ب ق) مندرجست ۲ تکلّفی (ب ا) ۳ جمال (ا)، (م ک) صبا (ج) و (۱۱)

زد پنجه بسینه و دلم را برد دست ‌ ‌ ‌ ‌ شادم که دل مرا بدست آورد است
اسباب جمال هر چه باید دارد ‌ ‌ ‌ ‌ چیزے[1] که بکار من نیاید درد[2] است

سرمایهٔ من در آستین دست تهی است ‌ ‌ ‌ ‌ بر خاتم دولتم نگین دست تهی است
اهل زر و سیم تنگدستند غنی ‌ ‌ ‌ ‌ دستے که فراخ است همین دست تهی است

آن را که بکف[3] نباشد از رزق برات ‌ ‌ ‌ ‌ کے سعی طبیبش دهد از مرگ نجات
از عمر دمے بیش نصیبش نبود ‌ ‌ ‌ ‌ هر چند حباب سر زد از آب حیات

هر مرد که با زناں بخواهش ننشست ‌ ‌ ‌ ‌ بر عارض خویش غازهٔ[4] از خواری بست
بنگر به نر انگشت که در پنجه پست ‌ ‌ ‌ ‌ نسبت بهر انگشت فروتر بنشست

بدگر چه دمے چند به نیکان منشست ‌ ‌ ‌ ‌ سر رشتهٔ نیکیش نیفتاد بدست
از تیره دلی پاک نشد خاکستر ‌ ‌ ‌ ‌ هر چند که با آتش و آئینه نشست

---

[1] چیزے که بکار من نداری کرد است (ب ا) [2] کمر بست (۱۱)، و (ب) [3] بناشد بکف (م ک) بکف نباشد (۱۹)، [4] غازه از خواری (۱۹)، و (ج) +

ای داد ترا خدای بر حسن برات — لعل تو نکوتر بود از آب حیات
باشد کمرت به ز کمرهای بتان — هرچند تمایز[1] نبود در عدمات

امروز گرت اختر طالع سبز است — در روز دگر ز دشنه خونریز تر است
غافل منشین ز انقلاب گردون — در پرده چو برگشت دگر پرده در است

کو بخت که از هوش شرابم ببرد — از خود سفر عالم آبم ببرد
چون نرگس می‌پرست خوبان چمن — در سایهٔ برگ بید خوابم ببرد

هر کس که بکنج انزوا بنشیند — کی بر در کس چو نقش پا بنشیند
در خانهٔ خویش هر که پیوسته[2] نشست — نقشش چو نگین در همه جا بنشیند

بر غمزدگان اهل جهان می‌خندند — از جوش فرح بصد دهان می‌خندند
در بزم طرب بسان مینای شراب — ما می گرییم و دیگران میخندند

---

۱ شمارے (م ا: و (م ک) ۲ پیوسته (ا ا)، و (ب ا)، و (م ک)، چوں خامه (ج)، +

تا چرخِ فلک چو آسیا هست بگرد — چون صبح ندارم غذا جز دمِ سرد
ما کاسه نداریم که دریوزه کنیم — دریوزه برای کاسه‌ای باید کرد

در عشقِ تو تا ضعف دلم روی نمود — از چهرهٔ من پرید[1] رنگِ بهبود
نتوان نفسِ گم شده‌ام[2] پیدا کرد — افروختنِ چراغِ آئینه چه سود

در فصلِ بهار پارسا نتوان شد — هم صحبتِ اربابِ ریا نتوان شد
فیضی نبرد هیچکس از زاهدِ خشک — سیراب ز موجِ بوریا نتوان شد

تا فصلِ بهار رو به گلشن آورد — هنگامهٔ افسرده[3] دلی برهم خورد
از غیرتِ عشق و شوخیِ حسنِ بباغ — بلبل به سبد گل به قفس باید برد[4]

چون[5] در غمِ خورشید فغان[6] برخیزد — هر کس شنود از دل و جان برخیزد[7]
بر تربتِ او ز دیده میریزم آب — شاید که ازین خوابِ گران برخیزد

---

۱ پریده شد رنگ شهود (۱۱)، ۲ ام (۱۱) و (ا) و (ب ا)، را (م ک) و (ج)، ۳ افسرده دلی (۱۱) و (م ک)، دی (ج)، ۴ اگرچه در بعضی نسخ "باید کرد" مرقوم است ولی باعتبار ردیف "برد" صحیح تر است و نیز مطابق (۱۱) و (ب) میباشد ۵ چون در غم خورشید (م ک) و (ب) و (ج)، از مردنِ خورشید (ب ا)، چون در غم خورسند (ب)، ۶ رخان (م ک) ۷ این رباعی در (ب) تحت عنوان "مرثیهٔ ملا خورشید" نقل شده است +

از مردنِ تو حاصلِ عمرم تباه شد
چیزے کہ صرفِ گریہ نشد خرجِ آہ شد
می آمدم کہ تنگ در آغوش گیرمت
سنگِ سرِ مزارِ تو ام سنگِ راه شد[1]

هر کس کہ بخویشتن گمانے دارد
چوں در نگری عیبِ نہانے دارد
عمریست کہ در باغِ جہان گردیدم
ہر میوه کہ دیدم استخوانے دارد

جز زخم ز سر تراشِ مسنم چہ رسد[2]
بر کاسۂ سر بجز شکستم چہ رسد
دل کیسہ بدستگیریش دوختہ بود
ناخن نگرفت تا بدستم چہ رسد

از اہلِ سخن کس بہ قلندر نرسد[3]
در شعر باو عرفی و سنجر نرسد
ہر مصرعِ او بسکہ بلند افتادست
ترسم کہ باو مصرعِ دیگر نرسد

. . . .
نامِ پدر و جد بزبان آوردند[4]
شاید کہ ہمای دولت افتد در دام
مردم ہمہ استخواں فروشی کردند

---

[1] این رباعی فقط در (ب ا) یافتہ میشود [2] این رباعی در ہجو حجام است [3] این رباعی در (م ک) و بسیارے از نسخہ ہای خطی دیگر یافتہ میشود ولے صاحب "گلستان مسرت" آنرا بطور یک ہجو ملیح آورده و بشاعری بنام قاسم منسوب کرده است کہ اشتباه است [4] ہمین سہ مصرعہ در (ج) نقل شده است اما در نسخہ ہای دیگر نیست +

طغرا[۱] که بود روحِ کثیفش چو جسد
باصاف ضمیران شده دشمن ز حسد

گوید که برند شعرش اربابِ سخن
نامش ببرند تا به شعرش چه رسد

بر خیز و بجنگِ خصم شمشیر ببند
بر تیرِ نظر بسانِ زهگیر ببند

در رزم ز اسبابِ فراغت بگذر
پر را بکش از بالش و بر تیر ببند

از زلفِ تو شانه عاقبت دست کشید
مرغِ دلِ عشّاق ز دامِ تو پرید

هر چند که عمرے هوسِ روی تو داشت
گرداند ورق آئینه چون خطِّ تو دید

چون نخلِ قدِ یار گل افشان گردد
مجلس همه رشکِ صحنِ بُستان گردد

آن خرمنِ گل را چو در آغوش کشم
خاکِ تنِ من سفالِ ریحان گردد

از مردنِ[۲] خورشید جگرها خون شد
دردِ دلِ ما خسته دلان افزون شد

آسان نبود فراقِ اسبابِ کمال
خم خاک نشین در غمِ افلاطون شد

---

۱ یکے از شعرای همعصر غنی ۲ این رباعی فقط در (ا) دیده میشود +

شد بسته دهن ها ز هلالِ رمضان   این طرفه که کار قفل آید ز کلید[۱]

گر فیل شوی پای منه بر سرِ مور   غافل مشو از جوهرِ تیغ بُرِ مور
عالم شده در چشمِ سلیمان تاریک   تا گشته عیان سپاهیِ لشکرِ مور

تا دینِ[۲] تو واکرد برامت[۳] درِ خیر   بر روی زمین نیست نشانے از دیر
چون سایه ذلیل گشت آن نامه سیاه   کز پیرویت گذشت[۴] و شد تابعِ غیر

جان رفت و نرفت دردِ جانکاه هنوز   دل نیست ز خوابِ راحت آگاه هنوز
ما گرچه رسیدیم بمنزل امّا   آسایشِ منزل است در راه هنوز

اے بافته[۵] از ذکرِ خفی دامِ هوس   مرغِ نفست گشته گرفتارِ قفس
خواهی که دلت کشاده گردد چو حباب   در ترکِ هوا کوش نه در حبسِ نفس

---

۱ – ازین رباعی همین دو مصرع یافته میشود و آن هم فقط در (ج) میباشد ۲ – رباعی در نعت سرور کائنات ص ۳ – برامت (ا) ۴ – گذشته شد (م ک) ۵ – بافته از (ا ا) بافته در (ج) یافته از (ب ا) +

ای صاحبِ هوش عیبِ مردم مپوش | بیهوشیِ مردم بنه هوش بپوش
بینی ز کسی اگر بدی یا شنوی | در پردهٔ چشم و پردهٔ گوش بپوش

چون قفل اگر گرفتگی گیری پیش | آخر دلت از تیرِ جفا گردد ریش
دادند چو صورتِ کلید ابرو را | پیوسته کشاده دار پیشانیِ خویش

ای شیفتهٔ زینت و پیرایهٔ خویش | تا چند بلند میکنی پایهٔ خویش
نفعی نتوان برد ز سرمایهٔ خویش | آسوده کسی نبوده در سایهٔ خویش

چون بیخردان[1] بی خبر از کار مباش | سرگشته بهر کوچه و بازار مباش
ترسم که ز چشمِ اهلِ بینش افتی | چون طفلِ سرشک مردم آزار مباش

در عهدِ تو[2] بسکه بخت شد یار بخلق | هرگز ندهد سپهر آزار بخلق
در باغِ جهان نهال جودی که ز فیض | هر روز دو بار میدهی بار بخلق

---

[1] در (ب ۹)، و (م ک)، "بی خردان" نیز هست ولی در تتبع (۱۱)، و (ا)، در اینجا "بی خردان" را ترجیح داده شده است [2] در مدحِ شاه عالمگیر (ج)۔ +

چون نیست درافتادگیم کس را شک
برخاسته از چه رو بجنگم هر یک
دعوای برابری ندارم به کسے
با خاک چرا برابرم کرد فلک

تا عشق مرا بعرصه آورد فلک
برداشت ز روی[1] خوب پردهٔ شک
شد حسن نواز بخت سیاهم روشن
بهر زر خورشید بود سایه محک

[2]مستان همه خفته اند در سایهٔ تاک
از گرمی خورشید قیامت بیباک
دنیا گویند مزرع آخرت است
اے شیخ بریز دانهٔ سبحه بخاک

اے در[3] غم نور دیده چشمت نمناک[4]
یعقوب صفت جامهٔ صبرت صد چاک
در ماتم فرزند مریز اشک بخاک
صد طفل مکن برای یک طفل هلاک

هر دل که بسختی ست بود دایم تنگ
باشد گردون بسخت جانان در جنگ
هر کس که توانا ست کشد رنج زیاد
نشتر بود از تیشه برای رگ سنگ

---

[1] از روی خواب (ب ا)، [2] شبان (ب ا)، [3] از (م ک)، [4] غمناک (ب ا)

پیوسته بکنج انزوا درسفرم — باآنکه نشسته ام ز پا درسفرم
هرچند مسافتم بود یک کفِ دست — عمریست که همچو آسیا درسفرم

هرچند که از مدرسه راهی نشدم — آگاه زیک حرفِ کماهی نشدم
موی سیهم سفید گردید و هنوز — واقف ز سفیدی و سیاهی نشدم

صد شکر که از حرص و هوا وارستم — چشم هوس از متاعِ دنیا بستم
چون شکل درم بود زناخن پیدا — زد[۱] پشت بروز[۲] بی نیازی دستم

هرچند که بر گردِ جهان گردیدم — از کس سخنِ فلاطونی نشنیدم
شد پردهٔ چشمِ من چو عینک سنگین — از بسکه ز خلق سخت روئی دیدم

آنرا که بود در همه فن دستِ تمام — نامش نبرد ز بی تمیزی ایام
طفلی که ز بوستان بجو اندر رفتی — چون سرو برآورد ز موزونی[۳] نام

---

۱ گردش بی سرز بی نیازی دستم (ب ا)، ۲ بزور (م ک)، ۳ بموزونی (ب ا) ۔

بر بستر ضعف روز و شب بیمارم　　از گرمی تب[1] گداخت جسم زارم
جز نام نشان نماند از پهلوی من　　اکنون گویا چو حرف پهلو دارم

از صحبت هر که شد سخن چین چو قلم　　چون کاغذ پیچیده بکش رو در هم
زنهار مشو از دو زبانان ایمن　　عاقل در بیم باشد از تیغ دو دم

هر چند صفات خویشتن میدانم　　چون کار بدست میرسد حیرانم
القصه بدوک پیره زن میمانم　　سر رشته بدست خویش و سرگردانم[2]

کردم هر چند جستجو در عالم　　یاران موافق بجهان دیدم کم
افسوس که همچو مهره های شطرنج　　یک رنگ نیند همنشینان باهم

زین کاغذ سبز داد عشرت دادم　　گل گل بشگفت خاطر ناشادم
ممنونم از آن نخل برومند که کرد　　بعد از عمرے ببرگ سبزی یادم

۱؎ تپ (ر ب)، ۲؎ این رباعی فقط در (ب ق) یافته میشود +

هر کس که هنرمند[1] زید[2] در عالم — هست از هنرِ خویش دلش را صد غم
دیدی که بوقتِ رشته تابی خیّاط — می ساید دست از تأسُّف برهم

امشب که بناز و عشوه ای[3] لعبتِ چین — چون مهرِ جهانتاب شدی[4] پرده نشین
تا وقتِ سحر بهرِ سُراغت[5] چون شمع — آهم بفلک دوید[6] و اشکم بزمین

هر چند شود دلت ز خاموشی خوں — زنهار مگو به هیچکس رازِ درون
آنرا که بود مغزِ خرد خاموش است — از کاسهٔ پُر صدا[7] نیاید بیرون

ای کرده زر و سیم ترا دشمنِ دین — نقشِ گنه از لوحِ جبینِ تو مبین
از روسیهی پاک نگردی هرگز — تا سر ننهی بسجده مانندِ نگیں

جویند دوای درد از من دگراں — لیکن الم من نپذیرد درماں
آری نبود[8] شکستِ بازار درست — هر چند که پُر ز مومیائی است دکاں

---

۱ بود نبید هنر (ب ا) ۲ بود (ر ب) ۳ ای (ب ا) و (ب ز) آن (ب ج) و (ا ا) و (م ک) ۴ شدی (ب ف) و (ب ا) شود (ب ج) و (ا ا) و (م ک) ۵ فراغت (م ک) ۶ رسیده (م ک) و (ب ج) دوید و (ا ا) و (ب ا) ۷ سر نیاید آواز (م ک) ۸ نشود (ا ا) و (ب ا) +

از خلق[1] بگوشهٔ نشستم پنهان   میگردد ازین ره سخنم گرد جهان
ترسم که دگر سخن[2] شود گوشه نشین[3]   از خانه برون آیم اگر هیچ زبان

گر رتبهٔ شعر خود بپرسی از من   گویم سخنی با تو مرنج ای کودن
بر هر ورقی که کردهٔ مشق سخن   چون لوح زبان بشوی از آب دهن

گلگون[4] تو هست[5] بسکه سرعت آیین   چون[6] رنگ سبک می پرد از روی زمین
گردید بلند آتش غیرت برق   زین باد که جسته است از دامن زین

آن کس[7] که بدزدد[8] ز قناعت پهلو   پیوسته بود جاذب قوت از همه سو
چون رشتهٔ شمع سوزد از آتش حرص   در نعمت اگر فرو رود تا به گلو

هر کس بتو از بهر پناه آرد رو   از ربط مخالفش تهی کن پهلو
فانوس ندارد آستین در جامه   تا شمع زده است دست در دامن او

---

۱ جلوه (اا)، ۲ سخن دگر (م ک)، و (ب ا) دگر شود سخن جای نشین (م ک)، ۳ خانه (ا)، و (اا) ۴ در تعریف اسپ عالمگیر (ج) ولی شارح آن را رباعی نعتیه قرار داده "گلگون" را "براق" گفته است (ام) و (مم)، ۵ بسکه هست (ب ا)، ۶ چون باد صبا میرود از روی زمین (ا)، و (ب ا)، ۷ هرکس که نداد در قناعت پهلو (ا)، ۸ ندزدد (م ک) +

اے[1] جامهٔ فقر زیب[2] و پیرایهٔ تو — وی شاه و گدا توانگر از مایهٔ تو
در[3] خاتم صنع سر نزد نقشِ دو کون — تا صرف نشد سیاهیِ سایهٔ تو

تا غنچه شد از سرِّ دهانت آگاه — گردید زبان گفتگو بیش کوتاه
زد لاف ز همرنگیِ لعلِ تو نگیں — آخر بدروغ روی خود کرد سیاه

اے برده جمالِ تو ز خورشید کلاه — رخسارِ تو آتش زده در خرمنِ ماه
از[4] خجلتِ روی آتشینت یوسف[5] — تا آب نشد برون بیامد از چاه

زان دم که فتاد از نظرم دور آں ماه — گم کرده رو چشمِ ترم طفلِ نگاه
ازبسکه گریستیم بشبهای فراق — گردید سوادِ دیده ام آبِ سیاه

طامع که بملکِ[6] حرص گردد راهی — در سعیِ عبث نمیکند کوتاهی
قارون بته[7] خاک رفت از طولِ امل — تا بر دارد درم ز پشتِ ماهی

---

[1] رباعی در نعتِ سرورِ کائنات ؐ [2] زیب پیرایهٔ (ب ا) [3] از خامهٔ (ب ا) [4] در (ب ا) [5] چون ماه (ب ا) [6] بحرص ملک (ا) [7] بته خاک شد (ا) +

انگشت بشمع داغِ من گر بنهی   قالب کنم از بیم چو فانوس تهی
شب نا خوشم ار روز بمن خوش گذرد   اینست مگر حقیقتِ روزِ بهی

از همرهِ خویش گر جفا بر داری   هر گام ازو فائده ها بر داری
در راهِ سلوک[1] دستگیر تو شود[2]   آن را که ز خاک چون عصا بر داری

ای بادِ صبا طرب فزا می آئی   گویا که ز کوی یار ما می آئی
از کوی که بر خاستهٔ راست بگو   بسیار بچشم آشنا می آئی[1]

---

[1] این رباعی فقط در (ب ق) مندرج است +

مثنوی اوّل در ہجوِ حجّام

مرا بر تن زبانے گشت ہر مو ‏ ‏ شوم در وصفِ حجّامے سخن گو

کلاہ از نخوتِ شاہاں ربودہ ‏ ‏ سراں را زیرِ دستِ خود نمودہ

باو آئینہ بستہ چشمِ امید ‏ ‏ ز پہلویش زدہ پہلو بخورشید

نشاں دادہ زخورشید آں پریرو ‏ ‏ شدہ خطِّ شعاعی[1] نشترِ او

چو گردد نشترش از دور پیدا ‏ ‏ پےِ تعظیمِ او خیزد رگ ازجا

بنا بد رگ الم زو یک سرِ مو ‏ ‏ بود از مو سبکتر نشترِ او

شدہ از سرتراشی سرورِ خلق ‏ ‏ رواں چوں آب حکمش بر سرِ خلق

بسرہا گو نریزد آب دیگر ‏ ‏ کہ موے پیشِ میانِ او شدہ تر

زبس[2] مقراضِ آں مہ دلکش افتاد ‏ ‏ دہد از چشم و ابروی بتاں یاد

زبس مقراضِ او دل بستہ با مو ‏ ‏ بود ہم چشم با مقراضِ ابرو

چو خارِ نشتر از دستش کند گل ‏ ‏ بر آرد از رگِ گل خونِ بلبل[3]

بنفشا دیش نقشِ خوش نشستہ ‏ ‏ بود کارش ہمیشہ دست بستہ

۱؎ شعاع (م ک) ۲؎ این مصرعہ در (ا) ہمیں طور میباشد ولے در (م ک) بقرار ذیل است:- "بود مقراضِ او دل بستۂ او"
۳؎ این شعر در (م ک) نیست ولے در (ب) و (ا) موجود است +

ز خونم شاخ را تا کرده گلگوں | نشسته شاخِ گل از رشک در خوں
چه افسوں میدمد آں فتنه انگیز | که شاخِ گل از و گردید گل ریز
میِ شوقش مگر نوشید حجام | که نامِ شیشه کرد از بیخودی جام
چنان از آتشِ شوق ست بیتاب | که هر شب میخورد چندیں سبو آب
نموده جمع خاکستر به گلخن | کند آں ماه تا آئینه روشن
بجز قتلم نباشد مطلبِ او | ولے می آزماید تیغ بر مو
کشد تا باده خونِ من آں مست | کدوئے بینمش پیوسته در دست
شدم در بحرِ خوں از دستِ او غرق | تماشا کن که گشتم از کدو غرق
براه انتظارِ آں گل اندام | تهی کیسه بر دل آید ز حمام
ز مستی میکشد آں ماه پیکر | چو جامِ باده طاسِ آب بر سر
ندارد چشمِ من بی او آرزو خواب | که باشد پیشِ او چوں کاسهٔ آب
بیا اے آفتابِ عالم افروز | شبِ ما بے تو شد از تیرگی روز
نهاد آئینه ام آں ماه در پیش | ولے آندم که بیروں رفتم از خویش
ز دستم دور ازاں افگند ناخن | که در جائے بسازم بند ناخن
بک بر دشت چوں آں مهر پرور | تو گوئی سایه کرد از سرم دور
بود تا مه چراغِ بزمِ عالم | مبادا سایهٔ او از سرم کم

مثنوی دوم شتائیه[1]

درین موسم از بسکه یخ بست آب شد آئینه خانه سرای حباب

بصحن گلستان خط جوی آب نماید که چون جدول اندر کتاب

دف از دست مطرب نشد آشکار که بسته ست یخ نغمهٔ آبدار

چنان کرد در آب سرما اثر که نقش[2] بر آب ست نقش حجر

همین نغمه بط[3] می سراید در آب "خوشا حال مرغی که گردد کباب"

چنان آمد آتش ز سرما به تنگ که گردید پنهان دوباره بسنگ

زهم آتش و شعله افتد جدا بگیرد اگر یک نفس از هوا

شرارے گر افتد ز آتش جدا شود ژاله در یک نفس در هوا

شده خشک از بس ز تاثیر باد زعینک[4] دهد پردهٔ چشم یاد

چنان مردم از آب دارند باک که بنهفته ست آئینه رو بخاک

بود برگ عشرت بدست چنار که فصل خزان آتش آورده بار

ازان داده ماهی تن خود بخار که شاید[5] بگردد به آتش دوچار

زبس سرد گشته تنور سپهر ندیده درو گرم کس نان مهر

---

[1] این مثنوی کاملاً فقط در (پ ع) وجود دارد. البته بعضے اشعار آن در نسخه های دیگر هم یافته میشود مثلاً (۱۱)
[2] شد نقش بر آب (۱۱) [3] ها (۱۱) [4] که (۱۱) [5] خواهد (۱۱) +

روان چون شود بر زمین جوی آب | که بسته است یخ چشمهٔ آفتاب

ز سرما دمے یافت ماهی نجات | که از تیغِ یخ کرده قطعِ حیات

زمین برف را نیست پروای آب | رود چون کفِ بحر بالای آب

درین موسم آید چه آتش بکار | خزان ساخت کرسی ز چوبِ چنار

بود[۲] اخگر از منقلِ آتشین | نمودار چون از نگین دان نگین

رود پایش از تختهٔ یخ ز جا | چو خط هر که افتد ز کرسی جدا

کسے را که در سنگِ یخ پا شکست | ز کرسی برو میتوان تخته بست

گریزان مگر گشته مد از هوا | که دارید آهن همه زیرِ پا

شد افسرده در جهان کامگار | که چون سنگ آتش کشد در کنار

درین لای و گل چون شدے کس روان[۳] | نبے بود گر پایِ یخ در میان

تعجب مرا دارد زمین و هوا | که چون بسته شد راه گردید وا

ز بس کرد سرما بماهی اثر | بر آورد بارِ خود از جای تر

فتد هر کرا چشم بر روی آب | کند زود قالب تهی چون حباب

بروی فلک هر که سر داده آه | شده برف و افتاده بر خاکِ راه

زمستان بر ایم[۴] چه بازی کند | که از آب آئینه سازی کند

اگرچه گرفت آتش اندر کنار | نشد گرم یک لحظه دستِ چنار

---

۱ بر روی (۱۹)، ۲ بود اخگر از بیم گلشن نشین | شده گرچه خاکسترش پوستین (۱۹)، ۳ درین لای و گل کس شدے چون روان (۱۹)، ۴ ندانم (۱۹) +

زسرما برگ آنکه گردد دوچار — درین فصل دوزخ کند اختیار
چو طفلاں قدم سوی مکتب زنند — بر اوراقِ یخ مشقِ مرکب زنند
درین فصل باشد کسے ہوشیار — کہ گلخن نشیں ہست دیوانہ وار
زبس ہست یخ زیں بیاں بر زباں — زبانے دگر شد نفس در دہاں
از آندم کہ سرما درآمد بجوش — بجنبد دہاں یک نفس ہیچ گوش
بناشد چو دیوانہ کس ہیش بیں — کہ اکنوں صفت گشت گلخن نشیں[1]
سرشکے کہ از دیدہ گردد جدا — شود بستہ چوں اشک شمع از ہوا
درین فصل از بسکہ یخ بستہ آب — دہد باد از گوشِ ماہی حباب
مگر زیں ہوا شد خبردار مور — کہ در زندگی بہر خود کند گور
ازیں پس نرانم[2] زسرما سخن — کہ یخ پارہ شد زباں در دہن

تضمین

ہندوئے دیدم کہ مست از عشق بود — گفتمش زیں جستجو بت چیست سود
در جوابم گفت آں زُنّار دار — نیست در دستم عنانِ اختیار
"رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست"

---

[1] ایں شعر در (۱۱)، ہست ولے در (پ ع)، نیست [2] چہ رانم (پ ع)، نرانم (۱۱) +

قطعهٔ تاریخ وفات ابوطالب کلیم

حیف کز دیوار این گلشن پرید — طالبا آن بلبلِ باغ نعیم

رفت و آخر خامه را از دست داد — بی عصا طی کرد این ره را کلیم

اشکِ حسرت چون میریزد[1] قلم — شد سخن از مردنِ طالب یتیم

هر دم از شورش دلِ اهلِ سخن — چون زبانِ خامه میگردد دو نیم

عمرها در[2] یادِ او زیرِ زمین — خاک بر سر کرد قدسی و سلیم

عاقبت از اشتیاقِ یکدگر — گشته اند این هر سه در یکجا مقیم

گفت تاریخِ وفاتِ او غنی — طورِ معنی بود روشن از کلیم

۱۰۶۱ھ

ایضا در وفات میر الٰهی شاعر

نیست دور از اثرِ صحبتِ او — که لبِ گور در آید به سخن

بر سرِ خاکِ وی اربابِ زمان — جامه پوشیده سیه چون سوسن

گفت تاریخِ وفاتش طاهر — برد الٰهی ز جهان گویِ سخن

۱۰۶۴ھ

ایضا در وفات امیر الامرا اسلام خان

حیف کز فوتِ قدوهٔ امرا — به سپر داغ شد نصیبِ سیاه

تا کند فتحِ ملکِ باقی را — رخت بیرون کشید زین خرگاه

---

۱. بهم (۱۱)، ۲. از (۱۱) +

دور زاں آفتابِ اوجِ کمال | مردمک شد نگر بہ ابرِ سیاہ

جستہ از بسکہ برقِ آہ از دل | خرمنِ ماہ ماند یک پرِ کاہ

آنکہ داغ اند ماہ تا ماہی | ہمہ آزادہ دل گدا و شاہ

شد نفس نالہ در گلو ما را | ہیچو نے زین مصیبتِ جانکاہ

ہیچو[1] اوراقِ گل بدستِ صبا | لختِ ماہی دل است در کفِ آہ

ہمتش داشت رتبۂ عالی | بود والا بخلقت او زیں راہ

ہمہ کردند فکرِ تاریخے | از پئے فوتِ آں مقربِ شاہ

جست ایں مصرع از زبانِ غنی

مرد اسلام خانِ والا جاہ

۱۰۷۴ھ

سوزِ داغِ دلِ ما دفع نشد از مرہم | گرمیِ شمع ز کافور نمیگردد کم

بسفر رفتی و از تیغِ فراقت بہم | زخم چنداں بمن آمد کہ نیاید بقلم

سیرِ ایں غمکدہ کردیم ز مہ تا ماہی | ہیچکس نیست کہ بے داغ بود در عالم

کفِ دریا نشود پنبۂ داغِ ماہی | بہ کہ مفلس نکند تکیہ بر اربابِ کرم

نزد اربابِ تواضع بتواضع تن دہ | پیشِ محراب ہماں بہ کہ کنی خود را خم

ہست[1] ویش گلِ روی سبدِ باغِ وجود | گرچہ باشد دہنش غنچۂ گلزارِ عدم

---

[1] ایں سہ شعر فقط در (سرب) دیدہ میشود +

میشود تا ل قلم سوخته چون رشتهٔ شمع | حرف سوز دل خود را چو در آرم برقم

شرف ذات بتقلید نگردد حاصل | گاو و خر را نکند خوردن گندم آدم

هر که آیین قناعت بودش ملّت و دین | بشکند روزه اش از سنگ به بندد به شکم

همچو مومی که شود پرشکن از نقش نگین | دید چون زخم دلم چین بجبین زد مرهم

باد آن بت کند و سر زند از شوق بسنگ | غلط است اینکه برد[1] سجده برهمن بصنم

آب چون نسبت گذارد بدهن تشنه عقیق | دیده ام لخت جگر دارد اگر شد بی نم

حاصل دل شکنی غیر تاسّف نبود | آسیا بی سببی دست بساید برهم

قطع پا کرده ام از بهر فراغت امّا | بسفر می بردم آب خورش همچو قلم

دولت ظاهر و باطن شود از می حاصل | خم روایت ز فلاطون کند و جام ز جم

خاتم آن دهن تنگ چو گردد پیدا | هر کس انگشت گذارد بدهن[2] چون خاتم

مغز سرها میخورد چون مار ضحّاک از جفا | ژاژ خارا گر زبان آرند بیرون از قفا

گشت با خار مغیلان پای من نا آشنا | کفش را بر خاک ره انداختم چون نقش پا

فکر ما بیرون نمی آید ز گرداب خطا | می برد درج از کدو بهر گهر غوّاص ما

خام گویان بسکه میبازند معنی ها شهید | شد زمین شعر آخر چون زمین کربلا

---

۱ کند (۱۱)، و (ب ۱)   ۲ بدهان (ب ۱) +

زلف را بر روی خط بهر فریب افگنده است دامها را بر سر هم گسترد صیاد ما

جان من از پیش مشتاقاں گذشتن سهل نیست گر کشی دامن ز دستم خون من گیرد ترا

میکند جزو بدن هم از بدن پهلو تهی پوست آرے عاقبت از مار میماند جدا[۱]

هر که باشد در جهاں مشتاق همرنگ خود است کاه در پرواز می آید چو بیند کهربا

از برای سرو جائے چوں کنار آب نیست آب از شوق تو گشتم در کنار من بیا

در دم عصا ساخت تا اسپ مرا بیدست و پا پشت او باریں نشد چوں اسپ شطرنج آشنا

چوں گذارم زیں به پشت او نمی جنبد ز جا بر سر دیوار گویا خانهٔ کردم بنا

تا بنا شد کس بد بنالش بنا بد رو براه تازیانه نیست چوں دم یکدم از دنبش جدا

گرد رکاب ایں گرانجاں قالب خشتی شود بر نمی خیزد ز روی خاک همچون نقش پا

بسکه از سنگ حوادث استخوانش گشته خورد بسته هم جای حنائی زیں به پشتش تخته ها

روز و شب از بس زمیں گیرم ز درد دست و پا پیکر من میزند پهلو به نقش بوریا

قوت رفتار دارم با وجود ضعف پا چوں قدم در ره گذارم میرود پایم ز جا

تکیه از ضعف بدن هر چند دارم بر عصا بر نمی خیزم ز جای خویش همچون نقش پا

---

۱ ترا (دم ک) +

در تیمم عمرِ من بگذشت چون آیینه ها
این سزای آنکه گشتم عمرها در پی هوا

پشتِ ما گردید خم افزود ضعفِ تن مرا
گرچه محکم میشود چون رشته میگردد دوتا

گر چنین از دردِ اعضا خشک گردد پیکرم
میشود انگشتِ پایم رفته رفته خارِ پا

در علاجِ دردِ اعضا سخت حیران مانده‌ام
کاش میکردم ز حیرت یکنفس کم دست و پا

در میان تا گردد و آید نمی گردد زهم[1]
کاسه‌های زانوم چون شیشهٔ ساعت جدا

میکشیدم انتقامِ دردِ خویش[2] از آسمان
کاش بودے دست و پا مانندِ فکرِ من رسا

گشتن از پهلو به پهلوی دگر معراجِ ماست
نردبانے بهرِ ما گردید نقشِ بوریا

بسکه در اعضای ما افتاده از خشکی شکست
هر رگِ ما گشته موی کاسهٔ زانوی ما

بارِ دردِ من کسے از اهلِ عالم برنداشت
عاقبت از ناتوانی تکیه کردم بر خدا

جسمِ زارِ ما ندارد طاقتِ مشتی کتول
استخوان تنگے شد از بهرِ شکستِ رنگِ ما

روزگارے[3] معنیِ لغزش نفهمیدم که چیست
عاقبت افتاد این معنی مرا در پیشِ پا

لشکرِ ضعف[4] ار بتازد بر سرِ من باک نیست
میگیرم لنگ لنگان در پناهِ مصطفیٰ

در پیِ مشکل کشایان هرزه گردیدن چرا
کے گره را میکند سوزن ز تارِ خویش وا[5]

بسکه[6] از آزارِ[7] دستِ ما خجالت میکشد
درد از شرمندگی هر لحظه گیرد پای ما

یکنفس دستم[8] چرا غافل ز یادِ درد نیست
گر نه پیچیدست از رگ رشته بر انگشتها[9]

---

[1] بهم (ب ا)، [2] خود (ب ا)، [3] روزگار (ب ا)، [4] درد (ب ا)، [5] این شعر در (ب ا) همین طور یافته مے شود
[6] بلکه (م ک)، [7] آزار پا دستِ (ب ا)، [8] غافل چرا دستم (ب ا)، [9] انگشت ما (ب ا) +

دستها را بسکه از افسوس بر هم میزنم — می پرد چون رنگ رو از دست من رنگ حنا

قصهٔ درد[1] ندارد هیچ پایانی غنی
تا یکی پیش طبیبان سر کنی این ماجرا

در صفت زمستان

موسم سردی[2] شده سرگرم یخ بندیست آب — بط اسیر[3] بیضهٔ فولاد گردید از حباب

بسکه هر دم می نشیند بر رخش گرد سحاب — شد چراغ آسیا در چرخ گردان آفتاب

از زبان تیشه یخ را سرزنش ها میکند — گر نبودی سخت‌رو از شرم میگردید آب

حلقه‌های دام ماهی همچو عینک شد ز یخ — کاش بیند چشم او خط شعاع آفتاب

تا ز سرما لرزه بر اندام‌ها افتاده است — نیست غیر از موج ایمن پنجه از اضطراب

برق شبها چون چراغ صبح آید در نظر — پرتو برق است گویا جانشین ماهتاب

کس درین شبها نمی یابد نشان روشنی — آسمان تیری به تاریکی فگنده است از شهاب

تا نه بیند از نگاه دور آسیبی ز برف — هر زمان خورشید گیرد پرده بر چشم از سحاب

سد راه ترکتاز لشکر گرمی است یخ — پنبه از آتش ندارد باک و برف از آفتاب

بیش ازین تعبیر نتوان کرد از بیداد وی — چشم میگردد سفید ار برف را بیند بخواب

زین ریاضتها که در ایام سردی می کشند — جای دارد گر روند اهل زمین بر روی آب

هست چون طوطی ز یخ آیینه‌اش پیش نفس — بسکه دست خویش از جان شست بط در زیر آب

---

۱ درت (م ک)، ۲ گرمی (ب ا)، ۳ اسیران؟ (م ک)

بست[1] آبِ چشمهٔ خورشید تا در دلو[2] یخ — خشک لب از تشنگی افتاد ماهی در سراب[3]

دود هنگامِ وداعِ شعله از بیمِ هوا — بر سرِ آتش فتد مانندِ موی پیچ و تاب

پنجهٔ خورشید را از دست بردِ دی نماند — آنقدر قوّت که اندازد ز روی خود نقاب

کوزه ها همچون صدف از ژاله[4] تا پر گوهر است — تخته از خجلت دکانِ بحر[5] را بست است آب

پیچ[6] راه گریزے نیست از دستِ اشکست — تختهٔ نعلین از آن بستند در پا شیخ و شاب

در سرِ من باد میگردد غنی چون گردباد

سازگار از بسکه با من نیست استعمالِ آب

از دمِ سردِ زمستان بسته شد در آشیان — بیضه هایِ عندلیبان همچو دندان در دهان

طفلِ اشک از خانه هایِ چشم بیرون میرود[7] — ابرها[8] چون کاغذِ باد است در هر سو دوان

داده باد از مردمِ چشمے که میگردد سفید — زاغ زیرِ برف تا پنهان شده در آشیان

آسمان چون چرخ حلاج است گر گردش کند — پنبه و دانه ز برف و ژاله ریزد هر زمان

گشت بهرِ لب گزیدن بیشتر اسباب جمع — تا ز سرما همچو دندان[9] بسته شد آبِ دهان[10]

بسکه زخمِ تیرِ باران خورد از دستِ فلک — مرغ نتواند پریدا ز شاخ چون زاغِ کمان

کرده است ایامِ گرما[11] بسکه در رفتن شتاب — برق باشد آتشِ واماندهٔ این کاروان

میزند پهلو به نخلِ طور از آتش چنار — زیبد ار خود را کلیم وقت داند باغبان

---

[1] جست (م ک)، [2] دیو (م ک)، و (ب ا)، [3] شراب (م ک)، و (ب ا)، [4] ژاله ها (ب ا)، و (م ک)، [5] سحر (م ک)، [6] جا (ب ا)، [7] میدود (ب ا)، [8] ابرها (ب ا)، و (م ک)، [9] دران (م ک)، [10] روان (ب ا)، [11] سرما (م ک) +

[illegible] ساکنان [illegible] — [illegible] آسمان

[illegible] — [illegible] همچون کمان

[illegible] ماهی یخ [illegible] — [illegible] دوان

[illegible] از پاره های یخ [illegible] — [illegible] بیرون

[illegible] شد سپید از انتظار نوبهار — [illegible] آشیان بلبلان

تا کند در بیضه آتش بگلشن از چنار — [illegible] آشیان بلبلان

بیان درد

درد و غم [illegible] چو تار درد — [illegible] زبان درد

[illegible] گاه سوی یا — [illegible] زبان درد

[illegible] — [illegible] آشیان درد

[illegible] — [illegible] نشان درد

[illegible] — [illegible] بیان درد

[illegible]

حجام

[illegible] مضراب

[illegible] از خواب

[illegible]

نمونهٔ نثرِ غنی

بر نغمه پردازانِ بزمِ سخن سرائی و قانون نوازانِ محفلِ نازوادائی
که تارِ نفس را صرفِ طنبورِ تازه گوئی کرده و بایں علاقه دلِ ادا فهمانِ روزگار
بدست آورده اند روشن و هویداست که مانندِ مانی بحرفِ مردم پرداختن و سخنِ
دیگران منسوب بخود ساختن در طعن بروی خود کشودن و جای انگشتِ اعتراض خالی
نمودن ست و چون طنبور دست بتصنیفِ غیرے دراز کردن و صیدِ بسته بدامِ
تصرّف آوردن پردهٔ ناموسِ خود دریدن ست والفِ انفعال بر چهره کشیدن اگر بمقتضایِ
مناسبت[1] موافقت که طبائع سلیمه و اذهانِ مستقیمه را باهم میباشد یکے بر دیگر ترجیح[2]
روا ندارند باید که بحکمِ مفتیٔ عدل و انصاف تقدّم و تاخّرِ زمان منظور داشته خیالِ مذکور را
از خود مسلوب و بغیر منسوب سازند بنابراں خارجِ آهنگِ قانونِ قلمزنی طاهر غنی
که از رهگذرِ ناقابلی بانهایت جدّ و جهد خود را در دایرهٔ کمال داخل نکرده و بواسطهٔ
پستِ فطرتی باکمالِ سعی و تلاش پے بمعنی بلند مقامی نبرده **فرد** خامه هر چند دود
لیک بمعنی نرسد ٭ سعی کارے نکند گر نبود استعداد ٭ معروض میدارد که این بیت

---

[1] (ب) و (چ) و (م) برصفحه ۹۳ اضافی + [2] کما فی الاصل

کے شود از مشعلِ[1] خورشید ساقِ عرش گرم | زین هوا هرچند کرسی کرد برپا آسمان

میکند هر کس که گردد ساکن این سردسیر | نور[2] پوش از شوقِ آتشخانه[3] را همچون کمان

بسکه هر سو پاره هاي یخ براه افتاده است | تیشه بر پا میزند هر کس که میگردد روان

میزند لبهاي بام از پاره هاي یخ مدام | خندهٔ دندان نما بر جبهت و خیزِ رهروان

چشمِ گلشن شد سفید از انتظارِ نوبهار | پر شد از برف بر شاخ آشیانِ بلبلان

تا کند دریوزهٔ آتش بگلشن از چنار | کاسه بر کف هست سرو از آشیانِ بلبلان

بیانِ درد

در روغن او فتاده ز غم چون نانِ درد | هر شکر نعمتم بود بر زبانِ درد

گاهے رود بجانبِ سر[4] گاه سوي پا | شد استخوانِ پهلوي من نردبانِ درد

خاشاک موي در[5] سرم اینقدر چراست | گر نیست کاسهٔ سرِ من آشیانِ درد

گر نیست گشت پایه اش از پاي من چه باک | شد مرتفع ز شانه[6] من باز شانِ درد

خواهد شکسته شد قلمِ استخوانِ من | تا چند در شکنجه بود از بنانِ درد

آخر دلم شکسته شد از دردِ استخوان
اے کاش بشکند چو دلم استخوانِ درد

در مذمتِ حجّام

دمبکه زخم پیاپے خورد ز نشترِ او | رگم بناله در آید چو تار از مضراب

صداي استرهٔ اوست بسکه شور انگیز | ز سر تراشیِ او پاي میجهد از خواب

---

۱ مشعل (ب ا)، ۲ نوز (ب ا، و د ج)، ۳ آتشخانه را چون آتشخانهٔ همچو کمال (د م ک)، ۴ هر دم ک، سر (د ج)، ۵ جمع درو (د م ک)، دردسرم (د ج)، ۶ سایه (د م ک)، شانه (د ج) +

نمونهٔ نثرِ غنی

برنغمه پردازانِ بزمِ سخن سرائی و قانون نوازانِ محفلِ نازوادائی
که تارِ نفس را صرفِ طنبورِ تازه گوئی کرده وبایں علاقهٔ دلِ ادا فهمانِ روزگار
بدست آورده اند روشن و هویداست که مانندِ مانی بحرفِ مردم پرداختن و سخنِ
دیگران منسوب بخود ساختن درِ طعن بروی خود کشودن و جای انگشتِ اعتراض خالی
نمودن است وچون طنبور دست بتصنیفِ غیرے دراز کردن و صیدِ بسته بدامِ
تصرّف آوردن پردهٔ ناموسِ خود دریدن است والفِ انفعال برچهره کشیدن اگر بمقتضایِ
مناسبت[1] موافقت که طبائع سلیمه و اذهانِ مستقیمه را باهم میباشد یکے بر دیگر درجات[2]
توارد زنند باید که بحکمِ مفتئ عدل و انصاف تقدّم و تاخّرِ زمان منظور داشته خیالِ مذکور را
از خود مسلوب و بغیر منسوب سازد بنابراں خارجِ آهنگِ قانونِ قلم فنی طاهر غنی
که از رهگذرِ ناقابلی با نهایت جدّ و جهد خود را در دایرهٔ کمال داخل نکرده و بواسطهٔ
پستِ فطرتی با کمالِ سعی و تلاش پے بمعنی بلند مقامی نبرده **فرد** خامه هرچند دود
لیک بمعنی نرسد ٭ سعی کارے نکند گر نبود استعداد ٭ معروض میدارد که این بیت

---

۱ (ب) و (چ) و (م م) برصفحه ۹۳ اضافی + ۲ کذا فی الاصل

فرد نے جای درون رفتن و نے پای برون شد ٭ درماندهٔ این دائره ام همچو
جلاجل ٭ که قبل ازین بخاطر فاتر پرتو ورود انداخته و خود را در لباس تازگی جلوه گر
ساخته در بعضی اطراف بنام این روشناس قلمرو هیچمدانی مشهور شده بود ناگاه
یکے از یکه تازان میدان تتبع که عنان توجه بمطالعهٔ کتب تاریخ یافته و بیت مذکور
در نسخهٔ از نسخ تاریخ بدایونی مرقوم یافته این مست خواب غفلت را مشت آبے
از عرق انفعال بر رو پاشید در حقیقت حال کما ینبغی اطلاع بخشید. خدا شاهد حال است
که از آن تاریخ مدتے زبان قال را در تنهٔ شکنجهٔ دندان گرفته نفس بر نمے آورد شب و روز
این بیت را که مناسب مقام یافته بزبان حال تکرار میکرد. فرد نزک گویائی ز دخل
نکته گیران رستن است ٭ بستن لب از سخن خوشتر ز مضمون بستن است ٭ فی الواقع
تا در رنگ غنچه سیر گلزار خموشی میسر باشد در خارستان گفتگو پا نهادن از عقل دور است
فرد گل بیخار گلزار خموشی چیدنی دارد ٭ زبان گفتگو را همچو ناخن پس سر کن ٭
هرچند یاران قدردان در لباس تفقد در آمده میخواستند که این خجالت زده را از جیب
ندامت بر آرند و لب این بے دهن را دامن تکلم نمایند فقیر چون بند قبا گره بر زبان
زده سر رشتهٔ خموشی از دست نمیداد کل مضمون این بیت را در گریبان عذرخواهی
می نهاد فرد بر لب چو آستین زده ام بخیهٔ سکوت ٭ انگشت اگر زنی بلبم وا نمیشود ٭
و تا امروز بخدمت دوستان مهربان التماس میکرد که هر جا که بیت مذکور مرقوم یابند

تامِ فقیر که در حقیقت نه سگ[3] آن بیت است برطرف نمایند المحال که نسخهٔ قدیمِ تاریخِ بدایونی بهم رسیده و بچشم تفحص از اول تا آخر دیده بیت مسطور را در هیچ جا مرقوم نیافت و کاتب نسخهٔ جدید را که چون کتاب غلط مقابله‌اش موجب ملال و مکالمه‌اش[1] باعث تفرقهٔ بال است بنابر ضرورت در پیشِ خود طلبیده از حقیقتِ حال استفسار نمود بعد از الحاحِ بسیار و پس از سرزنشِ بسیار مانند خامه بند از زبان واکرده در مقام عذرخواهی آمد که شعر مذکور در نسخهٔ قدیم نبود و بواسطهٔ مناسبتِ مقام داخل نسخهٔ جدید نمود المحال کاتب بی دیانت برسرِ خود پاشیده در هیچ مجلس[4] نمیتواند شد توقع از سخن پردازانِ انصاف پیشه و معنی طرازانِ عدالت اندیشه آن است که اگر این بیت را در نسخهٔ از نسخِ تاریخِ بدایونی مرقوم یابند حمل بر الحاقِ مضمون دزدی را بخاطر راه داده گناهِ کاتب بگردنِ شاعر نه بندند و این[2] دزد را چون ورق کتاب نشان برملامت نکنند

برنداریم ز اشعارِ کسی مضمون را   طبعِ نازک سخنِ کس نتواند برداشت

---

[1] مشاهده (ج) ومکالمه‌اش (م م) [2] "واین .... برداشت" در (م م) دیده نمیشود +

[3] کذا فی الاصل [4] البیاض فی الاصل -

نیست بشرت طلب آن کس که کمالی دارد

بدر گر انگشت نما بود نه باشد چون هلال

غنی کشمیری

